کاغذ عمدہ ہوتا ہے، ہر مہینہ مین متعدد تصویرین بھی ہوتی ہین، قیمت سالانہ للعہ (۴) دفتر زمانہ کانپور،

النظامیہ، فرنگی محل لکھنؤ کا علمی اور مذہبی رسالہ ہے جو کئی برس سے کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے، کبھی کبھی اسمین عمدہ مضامین نکلا کرتے ہین، علماے فرنگی محل کے خیالات اور مجتہدات علمی کو دیکھنا ہو تو اس رسالہ کو منگوائیے، قیمت عہ پتہ: فرنگی محل لکھنؤ،

محقق، دلی کے متعدد جدید رسائل مین ایک نیا رسالہ یہ نکلا ہے جسکا دعوی ہے کہ وہ مذہب کو عقل و نظر کی میزان سے تولیگا، پہلا پرچہ ہمارے پاس پہنچا ہے، ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست کیا آجکل دلی مین برسات کا موسم ہے،

الواعظ، حیدرآباد دکن سے ایک نیا ماہوار مذہبی رسالہ نکلا ہے، مضامین نظم و نثر پسندیدہ ہوتے ہین، قیمت ہے پتہ: دفتر واعظ، شاہ علی بنڈہ حیدرآباد،

مخزن، لاہور کا یہ پرانا ادبی رسالہ جو تقریبًا ۱۸ برس سے نکل رہا ہے، ہمارے اکثر ادبی رسالون کا پدر اول ہے، یہ امر اسکے اولیات مین شمار ہوگا کہ جدید تعلیم یافتہ فرقہ کو اسی نے سب سے پہلے ادہر متوجہ کیا، اسوقت اردو کے اکابر اہل قلم مثلاً ڈاکٹر اقبال، میر نیرنگ، مولوی حسرت موہانی انکا جوہر تحریر اسی کے ذریعہ منظر عام پر نمایان ہوا،

شیخ عبدالقادر بی۔ اے جب سے عملاً اس رسالہ سے علحدہ ہوگئے، وہ اپنا قدیم وقار قائم نہ رکھ سکا تاہم اسکی سخت جانی کی داد دینی پڑیگی کہ اس نے اس نا اتفاقی کے باوجود اپنی زندگی کو اس مدت دراز تک قائم رکھا، مولوی تاجور نجیب آبادی کچھ عرصہ سے اسکے ایڈیٹر ہین، اور ہم نہایت خوشی کے ساتھ دیکھ رہے ہین کہ وہ مخزن کی نشاۃ ثانیہ مین کامیاب کوشش کر رہے ہین، اور اب مخزن کا نام دوبارہ زبانون پر آرہا ہے، اگر مضامین کے انتخاب مین ذرا اور احتیاط برتی جاے تو اسکی سطح کی بلندی مین کوئی شک و شبہہ نہ رہے، قیمت للعہ پتہ: دفتر مخزن لاہور،

مجلد سوم | ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۹ء مطابق رجب سنہ ۱۳۳۷ھ | عدد دہم

مضامین

تصحیح۔ نمبر ۹ مین "سخن حبیب"، کے دو مصرعون مین حسب ذیل تصحیح فرمائین،

۱۔ طبع نازک بے نیاز از قید رسم افتادہ است،

۲۔ آٹھوین شعر کے مصرع ثانی مین "در دل" کی بجاے "درد دل" چاہیئے۔

ایڈیٹر

شذرات

از مولوی عبدالماجد بی اے

حال مین مسز اینی بسنٹ کے مشہور روزانہ اخبار نیو انڈیا کے علمی ضمیمہ مین محمد ابراہیم صاحب کے قلم سے علامہ شبلی کے معرکۃ الآرا رسالہ کتبخانہ اسکندریہ کا ملخص ترجمہ شائع ہوا ہے، مترجم صاحب کی کوشش بہرصورت قابل ستائش ہے، لیکن افسوس ہے کہ بیجا اختصار نے ترجمہ کو بے لطف بنا دیا ہے، مدت ہوئی حیدر آباد کے ایک صاحب نے رسالہ مذکور کا پورا ترجمہ انگریزی مین کیا تھا، جو اسی زمانہ مین شائع ہو گیا تھا، لیکن اُسے لفظی پابندیون نے خشک و بے مزہ بنا دیا تھا، ضرورت اسکی ہے کہ مسٹر محمد علی کی قابلیت کا کوئی شخص اسکے مطالب کو اپنے طرز پر انگریزی مین ادا کرے جسمین ترجمہ کی جھلک نہو۔
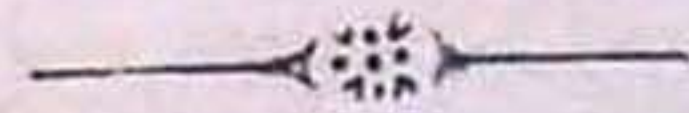
بنگال کو ہندوستان کے دوسرے صوبون پر جو تفوق و امتیاز حاصل ہے وہ محض سیاسیات کی بنا پر نہین، محض اس بنا پر نہین کہ اُس نے بنرجی، باسو، و سنہا پیدا کئے ہین بلکہ علم و فن کے ہر شعبہ مین اسکا قدم سب سے آگے ہے، ٹیگور سے بڑھکر اسوقت دنیا مین کسی شاعر کی شہرت نہین، "نوبل پرائز" جو اساتذۂ علم و ادب کے لئے سب سے بڑا تمغہ سمجھا جاتا ہے، کئی سال ہوے انہین مل چکا ہے، اور مشہور انگریزی پبلشر میکملن کمپنی اُنکی تصانیف کا کاپی رائٹ (حق اشاعت) ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ معاوضہ دیکر خریدتی ہے، مس تارادت بنگال ہی کی مشہور انگریزی شاعرہ ہوئی ہے، نئے لوگون مین اس وقت ہرندر ناتھ چٹوپادھیا کی شاعرانہ شہرت کا آفتاب عروج پر ہے، بڑے سے بڑے انگریز ناقدین سخن انکی داد دینے پر مجبور ہین، سر جے، سی بوس نے طبعیات و علم الحیات مین اس پایہ کے اکتشافات

کئے ہین کہ ہکسلے اور ٹنڈل تک کے نام اُنکے سامنے ماند پڑ گئے ہین، فن کیمیا (کیمسٹری) مین سر پی۔ سی رے کی تحقیقات و اجتہادات سے یورپ مین استناد کیا جاتا ہے، ڈاکٹر برجیندر ناتھ سیل کی فلسفیانہ عظمت یورپ کے اعلیٰ علمی حلقون مین مسلّم ہے، آر، سی دت اور پروفیسر جادو ناتھ سرکار کی مورخانہ اہمیت سے کسکو انکار ہو سکتا ہے، اسی طرح طب، ریاضی، ہیئت، منطق، اقتصادیات غرض ہر علم و فن کی مجلس مین فرزندان بنگال نے محققین یورپ کے پہلو مین اپنی جگہ نکال لی ہے، لیکن کیا اس ساری آبادی مین کوئی مسلمان نہین بستا؟ ہندو بنگالیون مین اس درجہ و مرتبہ کے اگر سو دو سو افراد ہو چکے ہین تو مسلمان بنگالیون مین کم سے کم دس پانچ تو اس معیار پر پورے اُترتے، لیکن کیا دو ایک کا نام بھی لیا جا سکتا ہے؟ سُنتے ہین کہ بنگال کے مسلمان جوش و ولولہ، عزم و بلند نظری، حمیت و غیرت قومی مین اپنے ہم مذہبون سے بہت آگے ہین، کیا کسی پرجوش و باہمت و غیور قوم کی دماغی سطح اسقدر پست رہنا چاہیئے؟

اردو جسقدر اول نظر مین کم مایہ معلوم ہوتی ہے، حقیقۃً اسقدر نہین، اس ظاہری کم مائگی کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ ہمارے ہان ابتک پبلشنگ (نشر و اشاعت) کا کوئی معقول و باقاعدہ انتظام نہین، یورپ مین یہ ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے، سیکڑون بڑے بڑے کارخانے اور کمپنیان محض نشر و اشاعت مطبوعات کی غرض سے قائم ہین جو شائقین کتب کو انکے مذاق کی مطبوعات سے برابر آگاہ کرتی رہتی ہین، انگلستان کا نہایت مشہور دار الاشاعت ٹائمس بک کلب ہے، اسکا دعوٰی ہے کہ وہ انگریزی زبان کی ہر کتاب کو خواہ کسی ملک اور کسی زمانہ مین چھپی ہو مہیا کر سکتا ہے بشرطیکہ دنیا مین اُسکا وجود کہین باقی ہو، اس سے بھی بڑھکر اس نے یہ سہولت پیدا کر رکھی ہے کہ جس فن سے ذوق ہو اسکی اسے اطلاع دیدیجائے اور وہ اس موضوع کے متعلق تمام مطبوعات کی ایک فہرست مع انکی قیمت اور مصنف کے نام وغیرہ کے بھیجدیگا کہ خریدار اس مین سے خود انتخاب کر لے، اردو کے لئے بھی

جب تک بڑے پیمانہ پر کوئی دار الاشاعت نہ قائم ہوگا اسمین علوم کی ترقی نہین ہوسکتی ۔

ہمارے ہان کسی تعلیم یافتہ جماعت کے سامنے بھی اگر یہ سوال پیش کیا جاے کہ اردو مین فن منطق پر کچھ کتابین ہین تو شاید ہر شخص اسکا جواب نفی ہی مین دے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اردو مین اس فن پر متعدد کتابین موجود ہین، ذیل مین چند کے عنوانات مع اُنکے سنین طبع و اسمار مصنفین کے درج کیے جاتے ہین،

کتاب	مصنف	سنہ ومقام طبع
کوائف المنطق	مسٹر ٹی جے اسکاٹ (بریلی مین پادری تھے)	سنہ ۱۸۷۲ء لکھنؤ
خلاصۃ المنطق	بابو دیبی پرشاد	سنہ ۱۸۷۲ء لکھنؤ
مبادی الحکمۃ	مولانا نذیر احمد	سنہ ۱۸۷۳ء دہلی
منطق قیاسی	بابو مدن گوپال ایم-اے	سنہ ۱۸۷۹ء لاہور
منہاج المنطق	محمد رضا خان	سنہ ۱۸۹۰ء لکھنؤ
منطق استخراجی	چودہری علی گوہر ایم اے	سنہ ۱۸۹۰ء لاہور
منطق استقرائی	پیرزادہ محمد حسین ایم اے	سنہ ۱۸۹۳ء لاہور

اِنکے علاوہ ملک کے مشہور مشرقی کتبخانون مین اور بھی متعدد کتابین اردو مین منطق کی ملتی ہین لیکن انکے وجود کا کسکو علم ہے؟ اس عام بیخبری و لاعلمی کا اگر کچھ علاج ہوسکتا ہے تو صرف یہی کہ اعلیٰ پیمانہ پر ایک دار الاشاعت قائم کیا جائے۔

علوم وفنون کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ یہ بھی ہے کہ حکومت کی طرف سے مصنفین و اہل قلم کی قدر دانی کیجائے، انکی تصنیفات کی سرپرستی ہو، اور انہین گرانقدر وظائف دیکر معاش کی جانب سے

مطمئن کردیا جائے، مشرق مین ہمیشہ اس طریقہ پر عمل رہا ہے، اور جمہوریت پسند و حریت دوست مغرب بھی اس دائرہ سے ابتک قدم باہر نہین رکھ سکا ہے، انگلستان، فرانس، جرمنی ہر ملک مین کم و بیش یہ طریقہ ابتک جاری ہے، خود ہندوستان مین گورنمنٹ آج سے چالیس پچاس سال پیشتر اس اصول پر عامل تھی؛ مولانا نذیر احمد کی اکثر تصانیف اسی دور کی یادگار ہین، آزاد و حالی کی بھی بعض تحریرین اسی سلسلہ کی کڑیان ہین، لیکن ایک عرصہ سے یہ مد غالباً سرکاری بجٹ (تقدمہ) سے نکال دیگئی، کیا اب گورنمنٹ کے نزدیک اردو کو اسکی ضرورت باقی نہین، یا گورنمنٹ کے اہل حل و عقد اب اتنے جوہر شناس و علم دوست نہین رہے جتنے پیشتر تھے؟ اسقدر تو یقینی ہے کہ مولانا نذیر احمد کی مبادی الحکمۃ پر جو تقریظ اسوقت کے ڈائرکٹر تعلیمات اور لفٹننٹ گورنر نے تحریر کی ہتین، اُنکی توقع موجودہ اعلیٰ عہدیدارون سے ہرگز نہین ہوسکتی۔

اسی زمانہ کے ایک خوش قسمت مصنف مولوی مظہر الحق مظہر ہین، دلی کے باشندہ، پہلے شاید کسی اسکول مین ماسٹر تھے، پھر ایک رئیس کے اتالیق ہوگئے، ۱۸۷۰ء مین انھون نے ایک کتاب مظہر المضامین کے نام سے ترجمہ و تالیف کی، جسمین یورپ کے علوم و فنون و دیگر حالات کے متعلق نفس متفرق مضامین ہین، کتاب کی ضخامت چھوٹی تقطیع پر ڈیڑھ سو صفحہ کی ہے، نوعیت مضامین کا اندازہ عنوانات ذیل سے ہوسکتا ہے،

(۱) غبارہ یا بیلون، (۵) کتبخانہ ہاے یورپ،

(۲) خاصہ کہربائی یا الکٹرسٹی، (۶) مقیاس الرجح یا آلہ بیرومیٹر،

(۳) آلات برقی، (۷) قوس قزح،

(۴) مرکز العلوم کیمبرج یونیورسٹی۔ (۸) بجلی اور رعد وغیرہ،

کتاب معمولی درجہ کی تھی، لیکن حکومت کی سرپرستی اُسے بھی حاصل ہوگئی، مصنف کو معقول صلہ
ملا اور کتاب طبع ہوئی، اُسکے دیباچہ مین مصنف صاحب اپنے ایک تذکرۂ شعراء فارسی کا تذکرہ
ان الفاظ مین کرتے ہین: -

" دو ہزار شاعرون کی پانچ برس مین تاریخ لکھی، جان کھپائی، تلاش کی، منصف جانتے ہین کہ
فارسی شاعرون کی ایسی تاریخ کسی نے نہ لکھی تھی، مگر قسمت کی بات ہے اسکا کوئی خریدار نہوا،
ایک صندوق مین پڑی ہے، سچ تو یون ہے کہ ردی ہے، اگر خدانے چاہا اور کچھ سرمایہ بہم
پہنچا تو خود ہی لکھونگا، گورنمنٹ کو بھیجونگا، اسکے سوا کون قدردان ہے،،

کیا اسوقت بھی کسی اہل قلم کو گورنمنٹ سے وہ حسن ظن ہے جسکا نمونہ فقرۂ زیر خط مین نظر آتا ہے،،

ضمناً اس کتاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسوقت گورنمنٹ کا ارادہ اُردو یونیورسٹی کے قیام کا تھا
چنانچہ خود یہ کتاب بھی اسی سلسلہ مین لکھی گئی تھی، مصنف لکھتے ہین کہ ہملوگ،

اپنی محسن سرکار کا شکریہ ادا کرتے ہین کہ عنقریب انہین علوم کی یونیورسٹی بزبان اُردو بھی
مقرر ہونیوالی ہے، لیکن یہ کام کچھ آسان نہین، بڑا بھاری ہے، مدت چاہیے جب ان علوم کی
کتابون کا ترجمہ ہو، اس خیال سے اپنے ہم وطنون کی بہبود کے لئے اور اس نظر سے کہ
یونیورسٹی مذکور کی اعانت ہو، احقر الخلائق .... الخ،،

یہ عجیب لطیفہ ہے کہ جو خواب شمالی ہند مین سنہ۱۸۷۸ء مین دیکھا گیا تھا اسکی تعبیر پچاس سال کے بعد
دکن مین پوری ہوتی نظر آرہی ہے،

مقالات

اسلام مین مختلف فرقون کی نشوونما
اور
اُسکے علل واسباب

(از مولانا عبدالسلام ندوی)

خیالات اگرچہ بذات خود مادی نہین لیکن وہ مادیات کے سلسلے سے الگ نہین ہین، ہمارا دماغ
جو خیالات کا گہوارہ ہے وہ خود مادیات سے گھرا ہوا ہے، اسلئے ذرون کی جنبش، ہوا کی حرکت، دریا کی
موج، مناظر طبیعیہ کی دلفریبی، قوس و قزح کی بوقلمونی، تلوارون کی جھنکار، غرض دنیا کی ایک ایک چیز
ہمارے دماغ مین ایک غیر محسوس ٹھوکر لگاتی ہے، اور اس سے خیالات کی جو لہرین اٹھتی ہین وہ مختلف
علوم، مختلف عقاید، اور مختلف مذاہب کی صورت اختیار کرکے بحر بیکران بنجاتی ہین، نیوٹن کا مسئلۂ
جذب وکشش کتنا عظیم الشان اور کتنا نتیجہ خیز مسئلہ ہے، لیکن اسکا رگ و ریشہ صرف انگور کے
ایک خوشہ کے ساتھ وابستہ ہے،

یونان اور ہندوستان دونون کی سرزمین نے بکثرت دیوتا پیدا کئے، لیکن یونان کے دیوتا
اکثر حسین، خوبرو اور نرم خو ہوتے تھے، کیونکہ وہان کے دلفریب مناظر اسی قسم کے لطیف مذہبی تخیل کو
پیدا کرسکتے تھے، لیکن ہندوستان کے دیوتا سخت مہیب خوفناک اور ڈراونی شکل مین نمودار ہوئے
کیونکہ یہان کے عظیم الشان میدانون، جنگلون اور پہاڑون کے نظارہ سے دماغ مین اسی قسم کے بھیانک
خیالات پیدا ہوسکتے تھے، دنیا مین جو لوگ کسی مذہبی عقیدہ کو تسلیم کرتے ہین، انکا دماغ بھی مختلف
اسباب سے انکے قبول کرنے کے لئے پہلے سے تیار رہتا ہے، مثلاً شیعہ مذہب کو سب سے زیادہ ایران مین
فروغ حاصل ہوا، بابی مذہب کے بانی اور اسکے پیرو سب سے پہلے ایران مین پیدا ہوئے، لیکن اُسکا اصلی

سبب کیا تھا؟ اسکو یورپ کے مشہور مستشرق ڈاکٹر براؤن کی زبان سے سننا چاہیئے، وہ اپنی کتاب نقطۃ الکاف مین لکھتے ہین،

ایرانیان کہ از قدیم الایام ہموارہ اعتقاد بانیکہ سلطنت موہبتے الٰہی است در ذہن ایشان راسخ شدہ بود، واز عہد ساسانیان معتاد بودند بانیکہ پادشاہان خود را موجودات فوق بشری وچیزے شبیہ بالٰہ محسوب دارند (چنانکہ شاپور اول یعنی شاپور بن اردشیر بابکان در کتیبہا خود را سوس (خدا) والہامی نامد، طریقہ شیعہ در مسئلہ امامت بالضرورت خیلے مناسب طبع ایشان می نمود، این است کہ کم کم مذہب شیعہ در ایران رواج یافتہ خطہ ایران مرکز و پناہگاہ این شیعہ از اسلام گردید، شیعہ نیز فرق مختلفہ می باشند، بعضی آنند کہ ائمہ را فقط معصوم می دانند بدون انیکہ ازین پایہ بالاتر روند، دیگر باین اکتفا نکردہ ایشان را دارائے بعضی از نعوت الٰہی یا آنکہ مظاہر خداوند تعالیٰ میدانند واین طائفہ باسم غلاۃ معروف اند۔ غلاۃ نیز چندین فرقہ بودہ اند کہ در جزئیات باہم اختلاف داشتہ اند، وے بقول محمد بن عبدالکریم شہرستانی در ملل ونحل معتقدات ایشان ازین چہار طریقہ بیرون نبودہ است، تناسخ، تشبیہ، یا حلول رجعت بداء، شیخیہ یعنی پیروان شیخ احمد احسائی را در جزاین طریقہ اخیرہ باید محسوب نمود، بنا براین اصلی در یشہ طریقہ بابیہ را در بین معتقدات وطریقہ شیخیہ باید جستجو نمود، اصول عقاید شیخیہ از قرار ذیل است۔

(۱) ائمہ اثنا عشر یعنی علی با یازدہ فرزندش مظاہر الٰہی ودارائے نعوت وصفات الٰہی بودہ اند۔

(۲) ازانجائیکہ امام دوازدہم در ۲۶۰ھ از انظار غائب گردید وفقط در آخر الزمان ظہور خواہد کرد برائے اینکہ زمین را پر کند از قسط وعدل بعد ازانکہ پر شدہ باشد از ظلم وجور، وازانجائیکہ مومنین دائما بہ ہدایت ودلالت او محتاج باشند وخداوند بمقتضائے رحمت کاملہ خود باید رفع حوائج مردم نماید وامام غائب را در محل دسترس ایشان قرار دہد بنا علی ہذہ المقدمات

ہمیشہ باید مابین مومنین یک نفر باشد کہ بلا واسطہ با امام غائب اتصال ورابطہ داشتہ واسطہ فیض بین امام وامت باشد واین چنین شخص را باصطلاح ایشان شیعہ کامل گویند۔

شیخ احمد احسائی وبعد از وحاجی سید کاظم رشتی در نظر شیخیہ شیعہ کامل وواسطہ فیض بودہ اند بعد از فوت حاجی سید کاظم رشتی در ۱۲۵۹ھ ابتداءً معلوم نبود کہ جانشین وے یعنی شیعہ کامل بعد ازو کہ خواہد بود وے طول نکشید کہ دو مدعی برائے این مقام پیدا شدند یکے حاجی محمد کریم خان کرمانی رئیس کل شیخیہ متاخرین گردید ودیگر میرزا علی محمد شیرازی کہ خود را ملقب باب بخواند مفہوم ومقصود ازین کلمہ تقریباً ہمان معنی بود کہ از شیعہ کامل ارادہ می شد،

لیکن شیعہ اور بابیہ کے علاوہ اسلام مین اور بھی متعدد فرقے پیدا ہوئے، اور انھون نے مختلف عقاید ومسائل ایجاد کئے، اسلئے اگر ان عقاید واعمال کی تاریخ جدید طرز پر مرتب کرنی ہے تو ہمکو نہایت دیدہ ریزی سے پتہ لگانا چاہیئے کہ یہ فرقے کن اسباب سے پیدا ہوئے؟ کن اسباب سے لوگون نے اُنکے خیالات قبول کئے؟ کن لوگون نے اُنکی تائید کی؟ کن اسباب سے وہ ایک خاص زمانہ مین پیدا ہوئے؟ اوران تمام چیزون کا اسلام کی تاریخ پر بحیثیت مجموعی کیا اثر پڑا؟ یہ سچ ہے کہ ان فرقون کی تعداد اور انکی شاخین اس کثرت سے ہین کہ اگر ہر ایک کے عقاید ومسائل پر ان حیثیتون سے بحث کیجائے تو ہمکو کامیابی نہین ہوگی، تاہم ما لایدرک کلہ لا یترک کلہ کے لحاظ سے اس دلچسپ بحث کو بالکل نظر انداز بھی نہین کرنا چاہیئے۔

حلولیہ یا تناسخیہ شیعہ فرقہ اگرچہ اس عقیدہ کی بنا پر پیدا ہوا کہ خلافت صرف اہل بیت مین نصاً محدود ہے اور کوئی دوسرا شخص پیغمبر کا جانشین نہین ہوسکتا، لیکن آگے چل کر یہ عقیدہ مختلف مظاہر مین نمایان ہوا، غلاۃ کا ایک فرقہ پیدا ہوا جو حضرت علیؓ اور دوسرے ائمہ کو خدا یا مظہر خدا تسلیم کرتا تھا، یہ فرقہ جن اسباب کی بنا پر پیدا ہوا اسکی نسبت علامہ شہرستانی ملل ونحل مین لکھتے ہین،

غالیہ وہ لوگ ہین جنھون نے اپنے ائمہ کے حق مین غلو کیا یہانتک کہ انکو مخلوقیت کی حدسے نکال دیا، اور ان پر خدا کے احکام لگائے، ان لوگون نے کبھی کسی امام کو خدا سے تشبیہ دی اور کبھی خدا کو مخلوق سے، انکے یہ شبہات حلولیہ، تناسخیہ اور یہود و نصاریٰ کے مذاہب سے پیدا ہوئے کیونکہ یہود نے خالق کو مخلوق سے اور نصاریٰ نے مخلوق کو خالق سے تشبیہ دی، پس یہ شبہے غلاۃ شیعہ کے ذہنون مین سرایت کر گئے، یہانتک کہ انھون نے بعض ائمہ پر خدا کے احکام لگائے۔

سب سے پہلے عبد اللہ بن سبا نے جو یہودی تھا اس قسم کا خیال پیدا کیا، اور دوسرے یہودی یعنی عبد اللہ بن سودا نے اسکی تائید کی،

ان دونون کا مقصد اگرچہ جیساکہ علامہ ابو منصور نے کتاب الفرق بین الفرق مین تصریح کی ہے یہ تھا کہ مسلمانون مین بھی حضرت علی اور انکی اولاد کے متعلق وہی مذہبی عقیدہ قائم کردین جو عیسائیون مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت قائم ہو چکا تھا، لیکن آگے چل کر اس عقیدہ نے تاریخ اسلام مین متعدد پولٹکل پیچیدگیان پیدا کر دین، ابو مسلم اصفہانی اسی قوت کی بل پر بنو امیہ کے مقابلہ مین کھڑا ہوا، اور جو لوگ اس عقیدہ کے قائل تھے انھون نے اسکی اعانت کی، شیبان بن سلمہ الخارجی کی نسبت کتاب الفرق بین الفرق مین لکھا ہے،

واعان ابا مسلم علی اعدائہ فی حروبہ

اس نے ابو مسلم کو اسکے دشمنون کے مقابل مین مدد دی

وکان مع ذلک یقول بتشبیہ اللہ بخلقہ[1]

اور اسکے ساتھ اس بات کا قائل تھا کہ خدا اپنی مخلوق کے مشابہ ہو سکتا ہے

خلفاے عباسیہ جو اس عقیدہ کے سیاسی خطرات سے واقف تھے، اس قسم کے لوگون کو کبھی ابھرنے نہین دیتے تھے، منصور نے ابو مسلم کو اسی بنا پر قتل کرا دیا کہ وہ خود اس خدائی طاقت کی بنا پر مستقل سلطنت کا دعویدار ہو سکتا تھا، خراسان مین یوسف البرم نامی اسی قسم کا ایک شخص پیدا ہوا اور بہت سے لوگون کو اپنا متبع بنالیا تو مہدی نے فوج کے ذریعہ سے اسکو گرفتار کرایا اور پھانسی دیدی، اسی زمانہ مین

مقنع نے نبوت کا دعویٰ کیا، بہت سے شعبدے دکھائے اور تناسخ کا مدعی ہوا، مہدی نے اسکا بھی استیصال کر دیا، معتصم کے زمانہ مین بابک نے اسی قسم کی قوت کا اظہار کیا اور وہ بھی قتل ہوا۔

بادشاہ کی انتہائی طاقت یہ ہے کہ وہ لوگون کو خدا کی شکل مین نظر آئے، لیکن خلفاے عباسیہ چونکہ اس عقیدہ کی سیاسی پیچیدگیون سے واقف تھے اسلئے جو لوگ انکو خدا بناتے تھے وہ انکو بھی ناپسند کرتے تھے، ایکبار خراسان سے بہت سے معتقدین تناسخ آئے اور منصور کے محل کے گرد گھوم گھوم کر کہنے لگے کہ "یہ ہمارے خدا کا محل ہے"۔ منصور سخت برہم ہوا، اور چونکہ اسوقت محل مین کوئی سواری نتھی پیادہ پا نکلا، عام اعلان کیا گیا اور ان مین چھ سو آدمی قتل کر دیے گئے۔

اس عقیدے کے سیاسی خطرات کے پیش نظر رکھنے کے بعد تاریخ علم کلام کے بہت سے عقدے خود بخود حل ہو جاتے ہین، فرق اسلامیہ مین صرف معتزلہ کا گروہ ایک ایسا گروہ ہے جو خدا کو ہر حیثیت سے منزہ مانتا ہے، اس بنا پر انکا مذہب عقیدۂ تشبیہ و حلول کے بالکل مخالف ہے چنانچہ علامہ شہرستانی ملل و نحل مین لکھتے ہین،

وکان التشبیہ بالاصل والوضع فی الشیعۃ وانما عادت الی بعض اھل السنۃ بعد ذلک وتمکن الاعتزال فیھم لما رأوا ان ذلک اقرب الی المعقول وابعد من التشبیہ والحلول[1]

در اصل تشبیہ کا عقیدہ شیعون تک محدود تھا، بعض اہل سنت مین یہ عقیدہ بعد مین پیدا ہوا، اہل سنت مین اعتزال کو رسوخ حاصل ہوا کہ انکے نزدیک یہ عقیدہ عقل سے قریب اور تشبیہ و حلول سے بعید تھا۔

اہل سنت والجماعت مین خلفاے عباسیہ نے اعتزال کی جو تائید کی اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ عقیدۂ تشبیہ و حلول کی بنیاد سرے سے اکھڑ جائے، اور جو سیاسی پیچیدگیان اسکی وجہ سے پیدا ہوتی ہین وہ پیدا ہونے پائین۔

[1] کتاب مذکور جلد ۲ صفحہ ۱۰-۱۱،

معتزلہ نے نفی صفات کا مسئلہ جسکا حاصل یہ ہے کہ خدا کی ذات مین الگ الگ صفات نہین پائے جاتے بلکہ اسکی ذات ہی تمام صفات کا مظہر بنجاتی ہے، اس غرض سے ایجاد کیا تہا کہ تعدد الٰہ یا تعدد قدما کی نفی کیجائے، لیکن چونکہ اس عقیدے سے مسئلہ حلول خود بخود باطل ہوجاتا تہا، اس لئے خلفاے عباسیہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکی تائید کی، علامۂ شہرستانی نے ملل ونحل مین لکہا ہے۔

ونصرهم جماعة من بنی امیة علی قولهم بالقدر	اور بنوامیہ کی ایک جماعت نے مسئلہ قدر مین اُنکی
وجماعة من خلفاء بنی العباس علی قولهم	تائید کی اور خلفاے عباسیہ کی ایک جماعت نے
بنفی الصفات وخلق القرآن[1]	مسئلہ نفی صفات اور خلق قرآن کی حمایت کی۔

خلفاے بنوامیہ نے مسئلہ تقدیر کی تائید جن سیاسی مصالح کی بناپر کی اسکی تفصیل آگے آئیگی، لیکن خلفاے عباسیہ نے مسئلہ نفی صفات وخلق قرآن کی جو حمایت کی اسکا مقصد صرف عقیدۂ تشبیہ وحلول کا قلع وقمع کرنا تہا جو انکے نزدیک سلطنت کے لئے خطرناک تہا۔

فرقہ خرمیہ | اسلام سے پہلے نوشیروان کے عہد مین ایک فرقہ پیدا ہوا تہا جو مزدکیہ کے نام سے مشہور تہا ان لوگون کا عقیدہ یہ تہا کہ ہر چیز مباح ہے، کوئی چیز ناجائز نہین، تمام لوگ زر، زمین اور زن مین شریک مساوی ہین، ایک شخص نہایت آزادی کے ساتھ دوسرے کی دولت، جائداد اور بی بی سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے، روس مین بالشویزم کی بنیاد بھی اسی اصول پر قائم ہوئی ہے،

اسلام مین بھی اسی قسم کا ایک فرقہ پیدا ہوا جو خراسان، رے، اصفہان، اذربائجان، کرخ ابی دلف، دو، درنجان، صروان، مصبرہ، ماسندان اور ان اطراف کے تمام دیہات اور قصبات مین پہیل گیا۔[2]

اس فرقہ کی دو قسمین تہین، بابکیہ اور مازیاریہ، اور دونون کے دونون محمرہ کے لقب سے

[1] کتاب مذکور صفحہ ۳۱، [2] مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۳۶،

مشہور تھے، فرقہ بابکیہ، بابک خرمی کا پیرو تہا، جو آذربائجان کے ایک کوہستانی علاقہ مین پیدا ہوا اور مقدر مطلق انسانی اور فتنہ پردازی شروع کی کہ خلفاے بنوعباس کو تقریبًا ۲۰ برس تک اسکے مقابلہ مین مصروف کارزار رہنا پڑا، بالآخر معتصم کے عہد مین اپنے بہائی اسحاق بن ابراہیم کے ساتھ گرفتار ہوا اور پہانسی پائی، مازیاریہ، مازیار کے پیرو تھے جس نے جرجان مین اس عقیدہ کا اظہار کیا، اور وہ بھی معتصم کے زمانہ مین گرفتار ہوکر مصلوب ہوا۔

تمام دنیا کی عید دن کو ہوتی ہے، لیکن فرقہ بابکیہ اپنی عید ایک مخصوص رات مین کرتا تہا جسمین مرد اور عورت دونون جمع ہوکر شراب پیتے تھے، گاتے تھے، اور جب زن ومرد کا کامل اجتماع واختلاط ہوجاتا تہا تو چراغ بجہا دیا جاتا تہا، اور جو عورت جسکے ہاتہ مین آجاتی تھی وہ اُس سے متمتع ہوتا تہا۔[1]

بظاہر یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ یہ فرقہ خواجہ حافظ کے فلسفہ عیش ومسرت کی عملی تفسیر کرتا تہا جنھون نے یہ تعلیم دی ہے،

رموز مملکت خویش خسروان دانند گداے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

لیکن اوپر جو تفصیل گذر چکی ہے اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسکی حوصلہ آزمائی کے لئے ع "فراغتے وکتابے وگوشۂ چمنے" کے علاوہ میدان کارزار کی بھی ضرورت تھی، کیا اسلام مین اسی قسم کے عیش پرست لوگ پیدا ہوتے تھے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ فرقہ بھی غلاۃ شیعہ مین فرقہ حلولیہ یا تناسخیہ مین شامل تہا، ان لوگون کا خیال تہا کہ جو لوگ امام سے ربط واتصال پیدا کرلیتے ہین وہ شریعت کی تمام پابندیون سے آزاد ہوجاتے ہین، یہی خیال تہا جو انکو تمام معاصی ومنکرات کے ارتکاب کی جرأت دلاتا تہا، چنانچہ علامۂ شہرستانی ملل ونحل مین لکہتے ہین،

[1] کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۲۵۳ و ۲۵۴،

وتاول قوله تعالی لیس علی الذین آمنوا و عملوا الصالحات جناح فیما طعموا الآیة علی ان من وصل الی الامام ارتفع عنه الحرج فی جمیع ما یطعم و وصل الی الکمال والبلاغ وعنه نشادت الخرمیة والمزدکیة بالعراق[1]

اور اس نے اس آیت کی کہ "جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح کیا اُن پر کوئی گناہ نہین" یہ تفسیر کی کہ جو شخص امام تک پہنچگیا اُس سے ہر اُس چیز کے متعلق جسکو وہ کھائے حرج اُٹھ گیا اور وہ درجۂ کمال تک پہنچگیا، عراق مین خرمیہ اور مزدکیہ اسی خیال کی بنا پر پیدا ہوئے

استاذ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادی کتاب الفرق بین الفرق مین لکھتے ہین:-

فاما غلاتهم الذین قالوا بالوهیة الائمه واباحوا محرمات الشریعه کالبیانیه والمغیریته والجناحیة والمنصوریة والخطابیه والحلولیه ومن جرا مجراهم فما هم من فرق الاسلام وان کانوا منتسبین الیه[2]

لیکن اُنکے وہ غلاۃ جو ائمہ کی الوہیت کے قائل ہوئے اور محرمات شریعت کو مباح کرلیا، اور فرائض شریعت کو ساقط کردیا جیسے بیانیہ، مغیریہ، جناحیہ، منصوریہ، خطابیہ، حلولیہ، اور انکے مثل اور لوگ تو یہ اسلام کے فرقون مین نہین ہین، اگرچہ اسکی طرف منسوب ہین۔

اسی بنا پر جب ان مظاہر خدا مین کوئی مظہر انکی نگاہ سے غائب ہوجاتا تھا تو ان لوگون مین سخت اضطراب پھیل جاتا تھا، خراسان مین ابومسلم کے قتل کی خبر پہنچی تو یہ لوگ سخت مضطرب ہوئے اور اس اضطراب کی حالت مین کسی نے کہا کہ "وہ جب تک عدل و انصاف کا منارہ بلند نہ کرلے نہ مر سکتا نہ مرا ہے"، کسی نے اسکی موت کو تسلیم کیا اور اسکی بیٹی فاطمہ کو امام بنایا[3]- اس لحاظ سے یہ لوگ بھی سلطنت کے لئے اُسیقدر خطرناک ہوسکتے تھے جسقدر فرقہ حلولیہ یا تناسخیہ خطرناک تھا، یہی وجہ ہے کہ خلفاء نے انکے استیصال کیلئے اپنی پوری طاقت صرف کردی اور انکے صنادید کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کیا، تاریخ کی کتابون مین ہے کہ خلفاے عباسیہ کے زمانہ مین بکثرت زنادقہ و ملاحدہ پیدا ہوئے

---

[1] کتاب مذکور صفحہ ۲۰۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۷ [3] مروج الذہب مسعودی صفحہ ۱۳۶-

اور انکو خلفاء نے قتل کرادیا، مہدی کے زمانہ کے زندیق ضرب المثل ہین[1]، ہادی کے زمانہ مین زنادقہ کا ایک گروہ تھا جو مسلمانون کو طواف کی حالت مین دیکھکر کہتا تھا کہ یہ لوگ جانورون کی طرح کھلیان مین چکر لگا رہے ہین، ہادی نے ان سب کی جستجو کی اور ان مین ایک جماعت کو قتل کرادیا[2]- ان واقعات کو پڑھ کر لوگون کے دل مین خیال پیدا ہوتا ہوگا کہ ان ملاحدہ کو فلسفہ اور مذہبی آزادی نے پیدا کیا ہوگا، لیکن درحقیقت یہ لوگ یا تو فرقہ خرمیہ مین شامل تھے یا اُن پر اس فرقہ کا شبہہ ہوتا تھا، اسلئے وہ پالیٹکس کی زد مین آکر تہ تیغ ہوجاتے تھے، ورنہ خلفاے عباسیہ نے فلسفہ اور فلسفہ کے نتائج کو کبھی صدمہ نہین پہنچایا

فرقہ باطنیہ جس طرح شراب پینے سے رگون مین نہایت سرعت کے ساتھ خون دوڑنے لگتا ہے اسی طرح یہ فرقہ تمام دنیاے اسلام مین اس سرعت کے ساتھ پھیلا کہ اسلام کے قالب مین مشرق سے لیکر مغرب تک دفعتہً یہ زہر سرایت کرگیا، سب سے پہلے اس مذہب کو ایک جماعت نے قائم کیا جنمین محمد بن حسین بذذان، اور میمون بن دیصان خاص طور پر مشہور ہین، یہ دونون عراق کے جیلخانہ مین قید تھے، اور اسی مین اس مذہب کی بنیاد ڈالی، اور قیدخانہ سے نکل کر بذذان نے اس مذہب کی دعوت کا آغاز کیا، مورخین کے بیان کے مطابق اس دعوت کا ظہور مامون کے عہد مین ہوا اور معتصم کے زمانہ مین وہ عام طور پر پھیلی، یہانتک کہ خود آفشین جو معتصم کی فوج کا سپہ سالار تھا، اس مذہب مین داخل ہوا اور بابک خرمی کے اتباع بھی اسمین شامل ہوکر باہم مدغم ہوگئے، یہ یاد رہے کہ خلافت عباسیہ مین عجمیت کو جو رسوخ حاصل ہوا تھا اسکا یہی عہد شباب تھا، فرقہ باطنیہ کا جادو خصوصیت کے ساتھ جن لوگون پر چلا وہ حسب ذیل ہین،

(۱) عوام، اَن پڑھ، اور جاہل لوگ، مثلاً نبطی، کردی اور مجوس کی اولاد،

(۲) فرقہ شعوبیہ جو عجم کو عرب پر ترجیح دیتا تھا اور یہ تمنا رکھتا تھا کہ سلطنت پھر عجمیون کو واپس ملجائے

---

[1] ثمار القلوب ثعالبی صفحہ ۱۳۸، [2] مختصر الدول صفحہ ۲۲۱،

۳- بنو ربیعہ جنکا دل قبیلۂ مضر پر اسلئے جلتا تھا کہ پیغمبر اسلام کا ظہور انہی مین سے ہوا، اسی رشک و حسد کی بنا پر جب مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعوی کیا تو بنو حنیفہ اسپر ایمان لائے، تاکہ جسطرح قبیلہ مضر مین ایک پیغمبر پیدا ہوا اسی طرح بنو ربیعہ مین بھی ایک پیغمبر پیدا ہو جائے۔

فرقہ باطنیہ کے متعلق مورخین مین سخت اختلاف ہے، علامہ ابن صاعد اندلسی کی تصریح کے مطابق وہ قدیم فلسفہ سے متاثر نظر آتا ہے، چنانچہ انھون نے طبقات الامم مین جہان بندقلیس کا تذکرہ کیا ہے وہان لکھتے ہین،

وطائفة من الباطنية تنتهي الى حكمته وتزعم ان له رموزا قلما يوقف عليها وكان محمد بن عبد الله بن مرة الجبلي الباطني من اهل قرطبة كلفا بفلسفته دؤوبا على دراستها [له]

باطنیہ کے ایک گروہ کا سلسلہ اسی کی حکمت تک منتہی ہوتا ہے، اور وہ خیال کرتا ہے کہ اسکے چند رموز ہین جن سے بہتکم واقفیت حاصل ہو سکتی ہے، محمد بن عبد اللہ بن مرۃ الجبلی الباطنی جو قرطبہ کا رہنے والا تھا اسکے فلسفہ کا دلدادہ تھا اور ہمیشہ اسکا درس دیا کرتا تھا۔

یہ لوگ چونکہ قرآن، زبور، توراۃ اور انجیل وغیرہ مین شکوک پیدا کرتے تھے اور حشر و نشر و ملائکہ وغیرہ کے منکر تھے، اسلئے بعض متکلمین کا خیال ہے کہ وہ دہریت کے قائل تھے، چنانچہ استاد ابو منصور بغدادی کتاب الفرق بین الفرق مین لکھتے ہین،

وفي هذا الذي ذكرناه دلالة على ان غرض الباطنية القول بمذاهب الدهرية واستباحة المحرمات وترك العبادات -

یہ تمام باتین جو ہمنے بیان کین اُنسے ثابت ہوتا ہے کہ باطنیہ کا مقصد دہریت اور محرمات شرعیہ کی اباحت اور عبادات کا چھوڑنا تھا۔

بعض لوگون کا خیال ہے کہ یہ لوگ صابی المذہب تھے کیونکہ حمدان قرمط جو میمون بن دیصان کے

له طبقات الامم صفحہ ۲۱،

بعد اس مذہب کا داعی ہوا، حران کا صابی تھا، اور حران کے صابی اپنا مذہب کسی پر ظاہر نہین کرتے اور یہی حال باطنیون کا بھی ہے۔

فرقہ باطنیہ نے بھی فرقہ خرمیہ کی طرح احکام شریعت کے متعلق مطلق العنانی اختیار کی تھی اسلئے بعض لوگون کا خیال ہے کہ وہ فرقہ خرمیہ سے الگ نہین ہے، مسعودی نے مروج الذہب مین لکھا ہے کہ فرقہ خرمیہ کو خراسان مین باطنیہ ہی کہا جاتا ہے، لیکن درحقیقت اسکی تولید کا اصلی سبب یہ ہے کہ جو قدیم قومین کسی جدید مذہب مین داخل ہوتی ہین انکے دلون مین مدتون انکے مذہب، انکی سلطنت اور انکے تمدن کی یاد تازہ رہتی ہے، اور ہر ممکن طریقہ سے اپنے مذہبی احکام و روایات کو اس جدید مذہب مین شامل کرنا چاہتے ہین، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین، [له]

اور مذہبی تحریف کے اسباب مین ایک سبب ایک مذہب کا دوسرے مذہب کے ساتھ اسطرح مدغم ہو جاتا ہے کہ دونون باہم متمائز نہون، یہ اس وجہ سے کہ جب ایک انسان کسی مذہب کا پابند ہوتا ہے اور اُسکے دل مین اس طبقہ کے علوم متمکن ہو جاتے ہین پھر وہ مذہب اسلام مین داخل ہوتا ہے تو اسکے دل کا میلان اس قدیم مذہب اور قدیم علوم کی طرف رہتا ہے، اس لئے اسکے اس مذہب مین کوئی وجہ چاہے وہ ضعیف ہو یا موضوع تلاش کرتا ہے اور بسا اوقات وضع روایت اور وضع کو بھی اسکے لئے جائز رکھتا ہے، رسول اللہ صلعم کا یہ قول کہ بنو اسرائیل کا مذہب ہمیشہ معتدل حالت مین قائم رہا، یہانتک کہ ان مین لونڈی زادے پیدا ہوئے، اور انھون نے اپنی راے سے فتوے دینے شروع کئے لیکن اسلئے خود گمراہ ہوے اور دوسرون کو گمراہ کیا اسی بنیاد پر ہے، ہمارے مذہب مین بنو اسرائیل کے علوم، خطباے جاہلیت کی تذکیر، یونان کی حکمت، اور بابلیون کی دعوت، اور پارسیون کی تاریخ، اور نجوم رمل اور کلام اسی بنا پر داخل ہوا، باقی

له حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صفحہ ۹۶،

حالی و شبلی
کی
معاصرانہ چشمک

جدت موضوع چاہتی تھی کہ جہانتک ہماری آخری بزم کا تعلق ہے اس لپیٹ مین کوئی چھوٹنے نپائے، لیکن افسوس ہے مواد ترکیبی کی کمی نے زیادہ پھیلنے کا موقع نہ دیا، اور "گوشہ چشمک" کا دائرہ اطلاقی حاصل حالی و شبلی کی شوخی قلم سے آگے نہین بڑھتا، لیکن مین ضمناً اوردن کا انداز طبیعت (کیرکٹر) بھی دکھاؤنگا، اور بکھرے ہوئے موتیون کو جہان جہان سے ہاتھ آئینگے سلسلۂ بیان مین پروتا جاؤنگا،

سرسید کی "بزم ادب" بچے کھچے پرانے لائق پرستش بزرگون کا گویا نچوڑ تھی، لیکن جس طرح خیمہ کے ساتھ طنابین بھی اُکھڑ جاتی مین، اُنکے رفقا بھی ایک ایک کرکے آگے پیچھے ہمسے رخصت ہوتے گئے، انکی نکتہ سنجیان، اور روشن خیالیان، بوڑھے غمزے اور لطائف وظرائف، قدیم اسلامی سوسائٹی کے تبرکات تھے، جن سے ہم ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھے، اور اب ان اصحاب کی تعداد بھی کم ہو رہی ہے جنھون نے جما جمایا نقشہ یعنی پچھلے پہر کا خواب اپنی آنکھون سے دیکھا ہے،

ان مین سے ہر فرد اپنے اپنے دائرہ کا مالک تھا، اور مستقل ہستی رکھتا تھا، آج وقار الملک اور محسن الملک کی یادگار مین چند سطرین بھی کوئی لکھنے والا نظر نہین آتا، اور "رجال العصر" کے سلسلہ مین انکی نہمی اہمیت انکا بہترین حق ہے، جو ہمارے ہاتھون انکو مل سکتا ہے، مین یہان ان دونون لائق افراد کی زندگی کا وہ رخ دکھانا نہین چاہتا جسکے لحاظ سے کبھی یہ سالار جنگ اعظم کے نفس ناطقہ بنے ہوئے تھے، محسن الملک کے اس کارنامہ کو یاد دلانا چاہتا ہون جب انکے قیام لندن مین وزیر انگلستان کو

اعتراف کرنا پڑا کہ ہندوستان مین اتنا بڑا "عالی دماغ" موجود ہے، اسی طرح ان دونون صاحبون کی سیاسی اور قومی خدمات بھی میرے موضوع کے لئے حیثیت اضافی رکھتی ہین، لیکن یہ بات بھولنے کے لائق نہین ہے کہ جہانتک سرسید کی ادبی تبلیغ کا تعلق ہے یہ دونون گویا انکے دست و بازو تھے، سرسید کے ساتھ محسن الملک کی نوک جھونک ادبی راز و نیاز جسکا ایک خاکہ مراسلات دلچسپ مین دکھایا گیا ہے، اور جسکے عالمانہ اور سخن گسترانہ شواہد "مرحوم تہذیب الاخلاق" کے سیزدہ سالہ فائل مین بکثرت ملین گے، فتوحات ادب کا بہترین سرمایہ ہین، جنپر مستقلاً اظہار خیال کی ضرورت ہے، میرے موضوع کے صفحات محدود مین انکے پھیلانے کی گنجائش نہین یہان صرف چشم سخن کے اشارہ پر قناعت کرنی ہوگی،

بہر حال کس کسکو یاد کرون، محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، ذکاء اللہ، نذیر احمد حالی و شبلی وغیرہ وغیرہ سجی سجائی محفل تھی جو دیکھتے دیکھتے درہم برہم ہوگئی، "سرسید کی بزم ادب" ایسا وسیع موضوع ہے کہ اگر مولوی وحید الدین سلیم نے اپنی عمر ضائع نہ کی ہوتی اور سرسید اور انکے رفقاء کے ساتھ جو وابستگی انکو رہی ہے اور جسکے آثار "معارف" کے نقش اول مین با فراط موجود مین، وہ افسانۂ یاران کہن کی حیثیت سے ایک ضخیم الاوراق اور نہایت دلچسپ کتاب طیار کر سکتے تھے، اگر یہ صحیح ہے کہ کسی شخص کی اخلاقی فوقیت کا راز در اصل اسکی پاکیزہ سوسائٹی مین مضمر ہوتا ہے تو "سیر الصحابہ" کی طرح علیگڈھ کی یہ آخری بزم ادب ہمارے لئے دقت کی چیز اور نتیجہ خیز رہتی،

خیر، ان تصریحات کے بعد اصل موضوع کی طرف لوٹئے، سرسید نے ہمیشہ معاصرین ادب کی حوصلہ افزائی کی، انکی با اثر شخصیت خاموش تصرف کے ساتھ دوسرون کی قلب ماہیت کرتی رہتی تھی، شبلی نے "مولویت" علیگڈھ مین پہنچکر چھوڑی، انکے خیالات کی کایا پلٹ، مذاق تصنیف اور وسیع النظری غرض یہ جو کچھ ہوئے سرسید کے دامن تربیت کا اثر تھا، شبلی نے المامون کا دوسرا اڈیشن جب شائع کیا ہے تو سرسید نے جس خلوص کے ساتھ اسپر دیباچہ لکھا وہ آج بھی انکی شرافت ادبی کا پتہ دیتا ہے،

اسی طرح حالی کی نیچرل شاعری خیالات کے لحاظ سے سرسید کے فیض صحبت کی ممنون ہے، ابھی یہ فیصلہ باقی ہے کہ حالی کی روش جدید نے پروفیسر آزاد کی ڈالی ہوئی داغ بیل یعنی اُنکے نتائج فکر سے کہانتک فائدہ اُٹھایا جنکو تاریخی حیثیت سے کم سے کم ادبیت کا شرف حاصل ہے مختصر یہ کہ متاخرین ادب کے ساتھ سرسید کا درجۂ متنابہ حرف مربیانہ تھا اسلئے ایسی باوقار ہستی سے چشمک تو خیر اسکی کسرات بھی بمشکل ہاتھ آئنگی،

پروفیسر آزاد اسقدر بلند خیال اور استادانہ دل و دماغ رکھتے تھے کہ انکے ہان بھی جہانتک معاصرین کا تعلق ہے "چشمک" کا گذر نہین، ایک واقعۂ دلچسپ اہل ذوق کی ضیافت طبع کے لئے لکھتا ہون، لاہور مین پہلی دفعہ جب ایجوکیشنل کانفرنس کا جلسہ ہوا تو پروفیسر آزاد زندہ تھے، گو دماغ کسی حد تک متاثر ہو چکا تھا، نذیر احمد ملنے کے لئے گئے، حالی اور غالباً شبلی بھی ساتھ تھے نذیر احمد کا لکچر ہونے والا تھا جو چھپا ہوا اُنکے ہاتھ مین تھا، آزاد رسالہ کی طرف متوجہ ہوئے تو نذیر احمد نے یہ کہکر آگے بڑہا دیا کہ ایک نظر دیکھ لیجئے، کانفرنس مین پیش کرنا ہے، آزاد فوراً قلم سنبھال کر بیٹھ گئے اور کاٹ چھانٹ شروع کردی، نذیر احمد آزاد کی اس بے تکلفی سے اسقدر متاثر ہوئے کہ جوش محبت سے آنکھین نم ہوگئین، اُنکو قدرتی طور پر یہ خیال آیا کہ ابھی اُنکے دائرہ مین ایک شخص ایسا موجود ہے جو ایک "بوڑہے بچہ" کی مشق سخن پر نظر ثانی کر سکتا ہے،

حالی بھی آزاد کی استادی کا لوہا مانتے تھے، اُنکی مخلصانہ عقیدت کیشی کے لئے وہ تقریظ و تنقید دیکھئے جو "آب حیات" اور "نیرنگ خیال" پر حالی نے لکھی ہے، وہ جسمین ضمناً یہ طے کردیا ہے کہ نیچرل شاعری دراصل آزاد کی صنعت نگری کا نقش اولین اور اُنکی اولیات مین محسوب ہونیکے لائق ہے، حالی لکھتے ہین، "نظم و نثر مین بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے، یعنی لٹریچر کے رقبہ کا طول و عرض بڑھ گیا، لیکن اسکا ارتفاع جہان تھا وہین رہا، یعنی اخلاقی سطح بہت اونچی نہین ہوئی، لیکن آزاد کی

پاکیزہ خیالی اور خوش بیانی نے یہ کمی پوری کردی "نیرنگ خیال" کی بہت کچھ داد دی ہے، کیونکہ آزاد کے قلم نے "پہلے پہل جذبات انسانی کی تجسیم و تشخیص کی، اور معقولات کی تصویرین محسوسات کی شکلون مین کھینچی ہین، اور خصائل انسانی کے فطری خواص ایسے موثر اور دلکش پیرایہ مین بیان کئے ہین جن سے اردو لٹریچر ابتک خالی تھا"۔

شبلی بھی آزاد کا ادب کرتے تھے فرمایا کرتے تھے "آزاد اُردوے معلی کا ہیرو ہے، اسکو کسی سہارے کی ضرورت نہین، وہ اصلی معنون مین ایک زبردست انشا پرداز ہے"[1] تاہم ایک ہلکی سی چشمک دیکھئے،

ہندوستان کے سب سے بڑے انشا پرداز نے نیرنگ خیال مین جہانگیر کی یہ تصویر کھینچی ہے، "اسکے بعد ایک اور بادشاہ آیا جو اپنی وضع سے ہندو راجہ معلوم ہوتا تھا، وہ خود نشہ مین چور تھا، ایک عورت صاحب جمال (نورجہان) اسکا ہاتھ پکڑے آتی تھی اور جدہر چاہتی تھی پھراتی تھی، وہ جو کچھ دیکھتا تھا، اسکے نور جمال سے دیکھتا تھا اور جو کچھ کہتا تھا اسکی زبان سے کہتا تھا، اسپر بھی ہاتھ مین ایک دو کاغذ بنکا تھا اور کان تک قلم دھرا تھا، یہ سوانگ دیکھکر سب مسکرائے مگر چونکہ دولت اسکے ساتھ ساتھ تھی، اور اقبال آگے آگے اہتمام کرتا آتا تھا، اسلئے بدمست بھی نہین ہوتا تھا، جب نشہ سے آنکھین کھُلی ہوتین تو کچھ لکھ بھی لیتا تھا۔"

"تزک جہانگیری" کی ریویو مین شبلی فرماتے ہین "آزاد کہین اس جھوٹ مین کچھ سچ بھی ہے؟ ہمارے انشا پرداز نے جہانگیر کے کبھی کبھی ہوش مین آنیکا جو کارنامہ بتایا ہے وہ اسکی کتاب تزک جہانگیری ہے" اسکے بعد شبلی نے جو کچھ لکھا ہے ناقدانہ اور سخن گسترانہ ہے، یعنی بے ضرر چشمک کی ایک خوبصورت مثال ہے جو عنوان زیر بحث کے تحت مین آسکتی ہے،

[1] معارف: آزاد مرحوم کی وفات پر مولانا شبلی نے دار العلوم کے صدر ہال مین جو لکچر طلبہ کے سامنے دیا تھا اسکا پہلا فقرہ یہ تھا "آج اردو کا خداے سخن مرگیا"

"شعرالعجم" جس زمانہ مین لکھی جارہی تھی مین نے شبلی کو توجہ دلائی کہ آزاد کی تالیف موعود پر نگاہ رکھیے کیونکہ جو موضوع مشترک پر نکلنے والی ہے، وہ سمجھے میرا مطلب "سخندان فارس" سے ہے "ایک دوست کو لکھتے ہین،

"آزاد کا سخندان پارس حصہ دوم نکلا، سبحان اللہ، لیکن الحمد للہ میرے شعرالعجم کو ہاتھ نہین لگایا ہے"،

"مجھے تحریر فرماتے ہین" آزاد کی کتاب آئی، جانتا تھا کہ وہ تحقیق کے میدان کا مرد نہین، تاہم ادہر اُدہر کی گپین بھی ہانک دیتا تو دق معلوم ہوتی لیکن خدا کا شکر ہے کہ گیارہ لکچر تک اس نے میری سرحد مین قدم نہین رکھا، بارہوین مین یہ میدان مین اُترا ہے، لیکن زور پہلے صرف ہو چکا تھا، یونہی سرسری چکر لگا کر نکل گیا"

مین نے لکھا، میری غرض، سخندانِ فارس سے نہین بلکہ آزاد کے "تذکرہ شعراء" سے تھی، اسپر تحریر فرماتے ہین، "مین آزاد کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا تھا، لیکن آپ نے پھر ڈرا دیا، مجھکو پہلے سے معلوم ہوتا تو اس مضمون پر ہاتھ نڈالتا،" یہ جزئیات جو دکھا رہا ہون خارج از موضوع نہین ہین، اُن سے یہ پتہ چلیگا کہ شطرنج کی اصطلاح مین بساط ادب کے یہ شاطر مہرے آپس مین کس طرح گتھے ہوئے تھے۔

نذیر احمد بھی تنقیص پسند نہین تھے، انکی لے دے زیادہ تر سرسید پر رہتی تھی لیکن اسطرح کہ:

"وہ کہین اور سنا کرے کوئی"

خلوص تھا کہ حرف حرف سے ٹپکا پڑتا تھا، طبیعت مین منقولانہ رنگ غالب تھا اسلیے شروع شروع سرسید کے اجتہادات سے انکو جھجک سی تھی جو رفتہ رفتہ گئی اور اس طرح گئی کہ سرسید کے عقیدت کیشان باصفا مین یہ کسی سے پیچھے نہین تھے، اور اُسپر فخر کرتے تھے، یہ فراخ دلی جسکے

شواہد انکے لٹریچر مین کثرت سے نظر آئین گے، سرسید تک محدود نہ تھی، اورون کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا، ایک آدھ واقعہ استشہاداً لیجیے،

علیگڈھ کے اسٹریچی ہال مین کانفرنس کی مقتدر جماعت کا اجلاس ہے، اطراف ملک سے پڑھے لکھے اور رو دار لوگ آ آکر جمع ہوئے ہین، خطیبانہ بلند آہنگی کے سلسلہ مین ایک آواز یون گویا ہوتی ہے، "مین نے کسی زمانہ مین عربی اچھی پڑہی تھی ابتو ایسا ذہول ہو گیا کہ مولوی شبلی ایک صیغہ پوچھ بیٹھین تو بغلین جھانکنی پڑین،" ان فقرون کا نکلنا تھا کہ اس زمانہ کے مولوی شبلی ہونے نئے علیگڈھ آئے تھے ہزارون نگاہون کے نقطہ شعاعی بنے ہوئے تھے، اور یہ انکی قابلیت کا پہلا اعتراف تھا جسکا اثر بجلی کی طرح ہال کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دوڑ گیا،

اسی طرح نذیر احمد لکچر سے پہلے کبھی کبھی اپنی نظم سنایا کرتے تھے، ایک موقع پر فرماتے ہین:-

"جس طرح یحیےٰ پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی منادی کرتے تھے کہ میرے بعد مجھسے ایک بہت بڑا پیغمبر آنے والا ہے، اسی طرح میری نظم گویا ندائے عام ہے کہ میرے بعد مولوی الطاف حسین حالی اپنی نظم پڑہین گے، اور مین اپنی پندار مین انکی نظم کی رونق کا باعث ہوتا ہون"، اخلاقاً ایک ہم عصر کی شاعرانہ فوقیت کے اعتراف کا یہ کتنا بلیغ اور خوبصورت پیرایہ ہے،

اب مین نفس مطلب سے قریب ہوتا جاتا ہون، یہانتک صرف بیانات اضافی تھے، اصلی کام حالی و شبلی کو باہم ٹکرانا ہے، لیکن ترتیباً پہلے یہ دیکھیے کہ حالی نے شبلی کی نسبت جن خیالات کا اظہار کیا ہے اُسمین "چشمک" کا کوئی عنصر موجود ہے، یا نہین؟ معارف مین نامۂ حالی و شبلی کا سلسلہ کچھ عرصہ سے جاری ہے، ان خطون مین حالی، شبلی کو اس خلوص حسن اشتیاق سے یاد کرتے ہین، انکی ایک ایک تصنیف کا جس شوق و ذوق سے نام گناتے ہین وہ بھی اس آرزو کے ساتھ کہ کوئی کتاب انکی لائبریری کے آغوش مین جگہ پانے سے رہ نہ جائے، اخلاص کی آخری حد ہے، خط ذیل مین ملتا ہے

تو کہتے ہین "اسقدر مدت کے بعد عنایت نامہ کے ورود نے میری آنکھون کے ساتھ وہی کیا جو پیراہن یوسف نے چشم یعقوب کے ساتھ کیا تھا" جس خط کو دیکھئے درد محبت اور ایک خاص طرح کی صدق عقائی جو بڑے بوڑھون کا حصہ ہوتی ہے، لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے، شبلی کے پاؤن کا واقعہ پیش آتا ہی تو گھبرا کر انکے فرزند رشید یعنی حامد شبلی سے خیر و عافیت دریافت کرتے ہین، اور باوصف اسکے کہ آنکھ نے جواب دیدیا ہے، قوٰی مین باقتضاے سن عام اضمحلال ہے، پھر بھی اعظم گڈھ کے سفر کی آمادگی ظاہر کرتے ہین، یہانتک کہ الندوہ مین شبلی کے احباب کی رباعیات دیکھکر حالی کو خیال آتا ہے کہ وہ مولانا (شبلی) کے زمرۂ احباب مین ہونیکا فخر حاصل کرین، اسلئے ایک رباعی موزون کرکے بھیجتے ہین کہ الندوہ کے کسی آیندہ نمبر مین اُسے بھی جگہ دیدیجیگا،

سیرۃ النعمان جب شایع ہوئی تو حالی نے اسپر ریویو لکھا، فرماتے ہین، "اُنھون نے (یعنی شبلی نے) اپنی ہر ایک پہلی تصنیف مین جس بلندی پر آپکو دکھایا ہے، اسکے بعد کی تصنیف مین انکی لیاقت اور روشن دماغی اس سے بلند تر منظر پر جلوہ گر ہوتی ہے، اور جہانتک میری نگاہ پہنچتی ہے سیرۃ النعمان کو ان سب سے اعلٰی منظر پر پاتا ہون" "کتاب کی ترتیب، اصول استنباط، اور طرز اجتہاد کے لحاظ سے" شبلی کو حالی نے "فاضل، ادیب، محقق اور اگر وہ منظور کرین تو منشی اور شاعر" کی حیثیت سے یاد کیا ہے اور دکھایا ہے، کہ "جس طرح حسن تناسب اعضا کا نام ہے، سیرۃ النعمان مین روایت و درایت کی تطبیق، اور جس موزون طریقہ پر رائے اور قیاس سے کام لیا گیا ہے، اس سے طریقۂ استدلال فلسفۂ مذہب کی بنیاد قائم ہوتی ہے، اور مصنف (یعنی شبلی) نے اپنی فضیلت اور لیاقت پر سے بہت سے پردے اُٹھا دیئے ہین"!

شبلی "دستۂ گل" ہدیۃً بھیجتے ہین تو حالی جواباً لکھتے ہین:-

"کوئی کیونکر مان سکتا ہے کہ یہ اس شخص کا کلام ہے جس نے سیرۃ النعمان، الفاروق اور

سوانح مولانا روم جیسی مقدس کتابین لکھی ہین، غزلین کا ہیکو ہین شراب دو آتشہ ہے جسکے نشہ مین خمار چشم ساقی[1] بھی ملا ہوا ہے، غزلیات حافظ کا جو حصہ محض رندی اور بیباکی کے مضامین پر مشتمل ہے ممکن ہے کہ اسکے الفاظ مین زیادہ دلربائی ہو مگر خیالات کے لحاظ سے تو یہ غزلین اُس سے بہت زیادہ گرم ہین۔"

آپ کہین گے کہ ان سلسل انکشافات مین سواے بہکی ہوئی باتون کے مقصود اصلی یعنی چشمک کا اب بھی پتہ نہین، لیکن مین عرض کرچکا ہون کہ مین اصلی نکتہ سے قریب تر ہوتا جاتا ہون، اصولاً اخلاق کے ساتھ تھوڑی سی کج ادائی بھی ہو تو زیادہ اجاگر ہوتی ہے، جو آنکھین روشنی کی عادی ہوتی ہین اُنکو تاریکی گران گذرتی ہے، اسی طرح نفس انسانی کا رخ روشن اسکے دوسرے رخ کو زیادہ نمایان کردیتا ہے، اسلئے میری اضافی تصریحات بیکار نہین ہین، بہر حال اظہار خلوص کی حد ہو چکی، کچھ اصل موضوع یعنی "چشمک" کی مثالین لیجئے،

حیات جاوید مین ایک موقع پر حالی فرماتے ہین "اعلےٰ تعلیم کی حمایت کے جوش مین سرسید کے قلم سے بعض مواقع پر ایسے الفاظ نکل گئے ہین کہ ترجمون کی غرض سے سوسائٹی قائم کرنیکو وہ اپنی ایک غلطی تسلیم کرتے تھے" "اور اسی بنا پر شمس العلماء مولانا شبلی نے مسلمانون کی گذشتہ تعلیم مین اس غلطی کا جسکو سرسید ۶-۷ برس پہلے ایجوکیشن کمیشن مین تسلیم کرچکے تھے ذکر کیا ہے، اور اس بنا پر کہ مغربی علوم و فنون کا دیسی زبان مین ترجمہ ہونا ممکن نہین ہے، سائنٹفک سوسائٹی قائم کرنے کو سرسید کی ایک غلطی قرار دیا ہے، اور اپنے اس دعوی پر کہ ترجمہ ممکن نہین زیادہ تر وہی دلیلین جو خود سرسید نے بعض مواقع پر بیان کی ہین پیش کی ہین۔"

حالی کہتے ہین کہ "اگر مولانا (یعنی شبلی) کی یہ اصلی راے ہوتی تو ہمکو اس سے تعرض کی ضرورت

[1] کاش ساقیہ ہوتا۔ (م)

نہ تھی، لیکن چونکہ اُنھون نے خود سرسید کے بعض بیانات سے یہ رائے استنباط کی ہے، اسلئے ہمکو سرسید کے خیالات کا اصل منشاء ظاہر کرنا ہے، حالی نے ایک ایک کرکے اعتراضات کی تردید کی ہے اور نہایت تفصیل کے ساتھ دکھایا ہے کہ شبلی کے اعتراضات[1] کا زیادہ تر حصہ خود سرسید کے خیالات سے ماخوذ ہے، "چشمک" کی یہ پہلی مثال ہے جسمین حالی کی حیثیت نسبتی اقدامی نہین بلکہ دفاعی ہے اور جسمین ناقدانہ اظہارِ خیال کے سوا در پردہ کوئی چوٹ نہین ہے،

یہانتک تو آپ نے دیکھا کہ حالی کا شبلی کے ساتھ کیا رنگ تھا، لیکن یہ شراب اب تیز ہوا چاہتی ہے، اب یہ دیکھیے شبلی کے خیالات و مقالات کا جہانتک خوش صفات حالی کا تعلق ہے، کیا حال ہے، شبلی نے ابھی المامون نہین لکھی ہے، یا لکھی ہے، لیکن لکھنے سے پہلے "حیات سعدی" پیش نظر ہے، ایک عزیز کو لکھتے ہین "ایک کتاب حال مین مولوی حالی صاحب نے لکھی ہے اور مجھکو تحفتہً بھیجی ہے، شیخ سعدی کی نہایت دلچسپ محققانہ سوانح عمری ہے، مین نے بے اختیار اُسکو تمہارے لئے پسند کیا، اور مولوی حالی صاحب کو لکھدیا ہے کہ وہ تمہارے نام بھیجدین، واقعی بے مثل ہے اور تم کو اپنے پاس رکھنا نہایت ضروری ہے، لیکن یہ دیکھنا ہے کہ شبلی جب خود تصنیفات کے مالک ہوے تو حالی کے ساتھ انکا یہ حسن ظن کہانتک قائم رہا، ؟

سوانح مولانا روم مین شبلی یون اظہار خیال کرتے ہین، "تمام اہل تذکرہ متفق ہین کہ جن لوگون نے غزل کو غزل بنایا، وہ سعدی، عراقی اور مولانا روم ہین، اس لحاظ سے مولانا کے دیوان پر ریویو کرتے ہوے ہمارا فرض تھا کہ سعدی اور عراقی سے انکا موازنہ کیا جاتا، تینون بزرگون کے نمونے دکھائے جاتے اور ہر ایک کی خصوصیات بیان کیجاتین، اور چونکہ مولانا ہمارے ہیرو ہین، اسلئے مذاق حال کے موافق

---

[1] جس مضمون کا حوالہ حالی نے دیا ہے، رسائل شبلی کے طبع جدید مین اُسکے دو ٹکڑے ہوگئے ہین، یعنی قدیم تعلیم اور تراجم، جدید معلومات کے اضافہ کے ساتھ وہ حصہ نکال ڈالا گیا ہے جسمین سرسید پر کچھ اعتراضات تھے،

خواہ مخواہ بھی اُنکو ترجیح دیجاتی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا واقعہ نگاری کے فرائض کے بالکل خلاف ہے"

اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی یہ مان لیا جاے کہ شبلی کا روے سخن حیات سعدی، یا یادگار غالب کی طرف ہے تو "چشمک" کی یہ نہایت ہی چھبتی ہوئی مثال ہوگی جو ناظرین کے سامنے پیش کیجا سکتی ہے لیکن ایک نکتہ سنج پوچھ سکتا ہے کہ کیا یہی طریقہ نمایان طور پر "موازنۂ انیس و دبیر" مین اور ایک کافی حد تک "شعر العجم" مین اختیار نہین کیا گیا، ؟ کلیات خسرو جسکی تہذیب و ترتیب بزعم علیگڈھ آجکل کے معرکۂ ادبی مین پیش پیش ہے اور جسمین تنقید کے سلسلہ مین معاصرانہ کلام کا موازنہ کیا گیا ہے کہانتک واقعہ نگاری کے خلاف "مذاق حال" سے بے نیازی کا دعوی کر سکتی ہے، اور سب سے بڑھکر یہ کہ آیا حالی اس نکتہ کے سمجھنے سے قاصر تھے ؟

چشمک کی دوسری مثال لیجیے،

تذکرۂ گلشن ہند کے حاشیہ مین شبلی لکھتے ہین:- "مولوی حالی صاحب نے اپنے دیوان کے مقدمہ مین لکھنؤ کی شاعری مین صرف نواب مرزا شوق کی مثنویون کا اعتراف کیا ہے، لیکن چونکہ انکے نزدیک شعراے لکھنؤ سے ایسی فصاحت اور سلاست کی توقع نہین ہو سکتی، اسلئے اسکی وجہ یہ قرار دی گئی کہ نواب مرزا نے خواجہ اثر کی مثنوی دیکھی تھی اور اُسکا طرز اُڑایا تھا، یہ اشعار اسی مثنوی کے ہین، اسکا فیصلہ خود ناظرین کر سکتے ہین کہ یہ مثنوی نواب مرزا کا ماخذ اور نمونہ ہو سکتی ہے"۔

اسی طرح جیسا کہ دیباچہ گلزار نسیم کے حاشیہ ذیلی مین تصریح کیگئی ہے شبلی نے لائق چکبست کو لکھا تھا کہ "گلزار نسیم کی تنقید مین مولانا حالی نے سخت بے رحمی اور ناانصافی سے کام لیا ہے"۔ مین اسکے متعلق خود کچھ لکھنا نہین چاہتا مولوی عبد الحق کے ذمہ دار قلم سے ٹپکی ہوئی سیاہی جس طرح پھیلی ہے، ایک نظر دیکھنے کے لائق ہے، جس طرح ناممکن ہے کہ کسی ٹکسالی (اسٹینڈرڈ) کتاب کا مقدمہ ہو، یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی نہ کسی حیثیت سے حالی کی پاسداری مین یہ شبلی پر چوٹ

نہ کرتے ہون، یعنی "چشمک"، کے جراثیم انکے مقدمات مین اس کثرت سے ملین گے کہ یہ امر اُنکے لٹریچر کے خصائص کا ایک جزو ہوگیا ہے، پس یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ موقع کے تاک مین رہتے ہین اور اظہار خیال سے کبھی نہین چوکتے، لیکن اگر مین غلطی نہین کرتا تو یہ جو کچھ لکھتے ہین نکتہ سنجانہ لکھتے ہین، یعنی شبلی کی تنقیص مقصود بالذات نہین ہوتی۔

یہانتک تو "چشمک" کی صرف نرم مثالین تھین یعنی تلخ گولیان غلاف شکر مین، اب ذرا قوی تر شواہد لیجئے، مناقب عمر بن عبدالعزیز کے ریویو کے سلسلہ مین شبلی فرماتے ہین۔

"سوانح نویسی کے فرائض مین سے جو بڑا فرض مصنف سے رہ گیا وہ تنقید ہے، یعنی مصنف نے اپنے ہیرو کی خوبیان دکھائی ہین، اُسکے کسی قول و فعل پر نکتہ چینی نہین کی، لیکن یہ اس زمانہ کے تمام سوانح نگارون کا انداز ہے۔"

اسی سلسلہ مین ارشاد ہوتا ہے:۔

"مصنفین اسلام آجکل کے فریب دہ طریقہ سے بالکل آشنا نہ تھے، آجکل کی سوانح نگاری کا انداز یہ ہے کہ حقیقت نگاری کے ظاہر کرنیکے لئے ہیرو پر نکتہ چینی کیجاتی ہے، لیکن اسطرح کہ محاسن نہایت وسعت اور عمومیت کے ساتھ ہر پہلو سے دکھائے جاتے ہین، پھر نہایت کمزور اور ضعیف الفاظ مین ایک آدھ اعتراض بھی کردیئے جاتے ہین، جس سے در اصل مداحی کو اور قوت دینی مقصود ہوتی ہے کیونکہ اس سے یہ ظاہر کرنا منظور ہوتا ہے کہ مصنف نے واقعہ نگاری کے لحاظ سے کسی واقعہ کو چھپانا نہین چاہا ہے، اور اس لحاظ سے ممدوح کی چھوٹی سی چھوٹی برائی کا بھی ذکر کردیا ہے، ورنہ ایسے محاسن اور خوبیون کے مقابلہ مین ایک ذراسی برائی بالکل نظر انداز کرنیکے قابل تھی، یہ طریقہ ہماری زبان کے سوانح نگارون نے یورپ سے سیکھا ہے، اردو کی اعلے سے اعلیٰ سوانح عمریون کا یہی انداز ہے، لیکن یہ طریقہ قدیم طریقہ سے بہت زیادہ قابل اعتراض بلکہ خطرناک ہی، قدیم طریقہ صرف سکوت کا

مجرم تھا، لیکن موجودہ طریقہ درحقیقت خیانت اور خداعی ہے جو واقعہ نگاری سے بمراحل دور ہے"

یقیناً ناظرین سمجھ گئے ہونگے کہ شبلی کا روے سخن کسکی طرف ہے، اور اعلیٰ سے اعلیٰ سوانح عمری سے ممدوح کا مقصود کیا ہے؟ شیش محل مین بیٹھکر اورون پر پتھر پھینکنا ایک خوش ادائی سہی، لیکن کیا دانائی بھی ہے؟ اسکا جواب صفحات زیر تحریر مین ملجائیگا، لیکن جلدی نہ کیجئے اور لیجئے ماثر رحیمی کے ریویو مین ارشاد ہوتا ہے،

اس کتاب مین تمام خوبیون کے ساتھ یہ بہت بڑا عیب ہے کہ خانخانان کی خوبیان ہی خوبیان گنائی ہین، نکتہ چینی کا نام نہین، حالانکہ آجکل کے مذاق کے موافق سوانح عمری اور لائف کی یہ ضروری شرط ہے، لیکن اس طریقہ کو ہم آجکل کے پُر فریب طریقہ سے زیادہ پسند کرتے ہین، جس مین راست نویسی اور تنقید کا بہت کچھ دعوی کرکے بھی سوانح عمری کے بجاے مناقب کی کتاب لکھی جاتی ہے اور کوئی عیب اور وہ بھی خفیف کرکے لکھا جاتا ہے تو اس غرض سے کہ محاسن کے یقین کرانیکے کام آئے یعنی جب عیب نہین چھپایا ہے تو محاسن کیون غلط لکھے ہونگے، بہتر سے بہتر سوانح عمری جو ہماری زبان مین لکھی گئی ہے، اس طریقہ کی عمدہ مثال ہے، ابھی اور لیجئے۔

موازنہ انیس و دبیر مین اسی خیال کا اعادہ یون کیا گیا ہے۔

"ہمارے زمانہ مین جو سوانح عمریان لکھی گئی ہین ان مین باوجود دعوے آزادی کے تنقید اور جرح بالکل کام نہین لیا گیا، اور اسکا عذر یہ کیا جاتا ہے کہ ابھی قوم کی یہ حالت نہین کہ تصویر کے دونون رُخ اسکو دکھاے جائین لیکن عذر کرنے والے خود اپنی نسبت غلطی کررہے ہین، جس چیز نے انکو اظہار حق سے روکا ہے وہ ایشیائی شخص پرستی ہے، جسکا اثر رگ و پے مین سرایت کرگیا ہے اور عذر کرنے والون کو خود اسکا احساس نہین ہوتا، اس غلامانہ شخص پرستی سے ایک بڑا ضرر یہ ہے کہ جو لوگ ان اکابر کی تقلید کرتے ہین، ان مین ہزارون ایسے ہوتے ہین جنکو خود نیک و بد کی تمیز نہین ہوتی، اسلئے وہ اچھی

باتون کے ساتھ اکابر کی غلطیون کی بھی تقلید کرنے لگتے ہین اور سلسلہ در سلسلہ تمام قوم مین اسکا اثر پھیل جاتا ہے۔
اخلاقی حیثیت سے مولانا کی نگاہ جس نکتہ پر بار بار پڑتی ہے، اسکے اہم نتائج سے کون انکار کرسکتا ہے، آپ دیکھین گے ابھی تک اظہار خیال پر ایک نقاب پڑی ہوئی ہے، مگر یہ نقاب اسقدر ہلکی ہے کہ باریک تارون سے چھن چھن کر "چمک" کی شوخیان آپکے ذوق پردہ دری کو اُکسائینگی، لیکن ذرا ٹھہریئے اسکا حُسن عریانی دیکھنے کے لائق ہے، یعنی اسوقت تک تصریحات کی جگہ صرف اشارات و کنایات تھے، اب صاف صاف لیجیے، شبلی کہتے ہین:

"حیات جاوید مین مولانا (حالی) نے سید صاحب کی یکرخی تصویر دکھائی ہے، اکثر لوگون کا خیال ہے کہ کسی کے معائب دکھانے تنگ خیالی اور بدطینتی ہے، لیکن اگر یہ صحیح ہو تو موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیان سب برباد ہو جائین، پھر ایشیائی شاعری مین کیا برائی ہے، سوائے اسکے کہ وہ محض دعوی کرتے تھے، واقعات کی شہادت پیش نہین کرتے تھے، بہر حال حیات جاوید کو محض مدلل مداحی سمجھتا ہون۔"

اس پر بھی تسکین نہین ہوتی ایک دوست کو پھر لکھتے ہین،

"اختلاف آرا بھی کیا چیز ہے، حیات جاوید کو مین لائف نہین سمجھتا بلکہ کتاب المناقب سمجھتا ہون اور وہ بھی غیر مکمل خیر والناس فیما یعشقون مذاھب۔

یہان یہ دلچسپ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "آجکل کا پر فریب طریقۂ سوانح نگاری" جو شبلی کے خیال مین ایک طرح کی "خیانت اور خداعی ہے"، اور جسپر بار بار بے چینی کے ساتھ زور دیا گیا ہے، در اصل حالی کی ایجاد ہے، یا شبلی کی تصنیفات بھی اسی دائرہ مین آجاتی ہین، تاریخی تنقید کا یہ ایک نہایت نازک نکتہ ہے جسپر مولانا نے اگر مزید روشنی ڈالی ہوتی تو دنیائے ادب کے لئے ایک جدید انکشاف ہوتا۔

اسی طرح حالی کی یہ صنعت گری جہان یورپ کے طرز تحریر سے اخذ و تتبع کی گئی ہے، شبلی یہ بھی فرماتے ہین کہ "اس پر فریب طریقہ" سے "جو ایشیائی شاعری سے ملتا جلتا ہے" "موجودہ یورپ کا مذاق اور علمی ترقیان سب برباد ہو جائینگی"، لٹریچر کی طرف سے مولانا کی اس نی الوقت دقیقہ رسی اور جوش التفات کا شکریہ، لیکن ایک نکتہ دان یہ سوال کرسکتا ہے کہ جس خطرے کا احتمال ظاہر کیا گیا ہے، اسکے لحاظ سے مغربی زبان کی کوئی سوانح عمری ایسی دکھائی جاسکتی ہے جسمین محاسن کے ساتھ معائب اُبھار کر دکھائے گئے ہون، کم سے کم جتنی مستند کتابین سیرۃ (لائف) کی حیثیت سے انگریزی زبان مین لکھی گئی ہین، وہ اکثرون کے دائرہ نظر مین ہونگی، لیکن افسوس ہے کہ حیات جاوید کی طرح کسی کتاب سے مولانا کی توقعات پوری ہوتی معلوم نہین ہوتین، یعنی ان مین ایسے مستقل ابواب نہین ملتے، جنمین "تذکرے از اقوام جرائم پیشہ" یا "باب الاشرار" کے عنوان سے کسی شخص کے حفظ غیب کا غیر ضروری خاکہ اڑایا گیا ہو۔

ایک ادیب معارضہ بالمثل کی حیثیت سے پوچھ سکتا ہے کہ بلحاظ فن حالی کے جس اعتصار کی طرف نیک نیتی سے شبلی کا ذہن منتقل ہوا ہے خود انکی تصنیفات مین یہ رعایت کہانتک ملحوظ رکھی گئی ہے یعنی المامون، سیرۃ النعمان، الفاروق اور الغزالی مین انسانی کمزوریان کس حد تک اُبھار کر دکھائی گئی ہین؟ اسکا جواب مجھے خوف ہے غیر امید فزا ہوگا، کیا یہ علم النفس کی حق تلفی نہین ہے جو ایک نکتہ سنج مورخ کے قلم سے ہو سکتی ہے کیونکہ عظمت "خود" ملک کے سب سے بڑے مورخ کے خیال کے مطابق واقعات کو بدل نہین سکتی،

بہر حال یہ کہا جاسکتا ہے کہ حیات جاوید کے لئے حالی کی طرف سے اعتذار (اپالوجی) کی بالکل ضرورت نہین، ایک شریف نے ایک شریف تر انسان کی ہمدردانہ سرگذشت لکھی اور آشنائے فن ہو کر لکھی، اور یہی اونچے سے اونچا معیار تحریر ہے جو ایمان بالغیب کی حیثیت سے

یورپ کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے:-

یہ قطعی ہے کہ حیات جاوید کا رئیس التذکرہ فرشتہ نہین تھا، انسان تھا لیکن اُسکے اخلاقی اوصاف اسکی اضطراری لغزشون پر جنہین انسانی کمزوری سمجھئے غالب تھے یہی مابہ الامتیاز ہے جسکی بنا پر سوانح نگار کسی بڑے سے بڑے شخص کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتا ہے، سرسید کی کمزوریان جنکی بے نقابی پر شبلی کو اسقدر اصرار ہے اور جنکے اظہار مین حالی نے صرف بیدردی سے کام نہین لیا، دراصل سرسید کی زندگی کے وہ عناصر ہین جنکے بغیر انسانی اخلاق کی تکمیل ناممکن ہے، لیکن اس قسم کی اضافی تصریحات کا بے ضرورت پھیلانا اور تنقیصی پہلو کا اس طرح نمایان کرنا کہ اصلی محاسن دب دبا جائین بالکل ایسا ہی ہوگا جس طرح ندوہ کے آخری مناقشات کو شبلی کی ادبی زندگی سے وابستہ کیا جائے، جسپر مولانا کا سوانح نگار کبھی راضی نہین ہوگا، اور جسے شبلی کی علمی "تصنیفات" (سائیکالوجی سے) دراصل کوئی تعلق نہین ہے،

یہ غور طلب ہے کہ غالب کی طرح شبلی کی افراط خودداری معاصرانہ کمالات کے اعتراف مین فیاض نہین ہے، شبلی نے الکلام لکھی لیکن سرسید کا نام تک نہ آیا، حالانکہ سرسید پہلے شخص ہین جنھون نے دور جدید مین مذہب کو معقولات عصریہ سے تطبیق دینکی کوشش کی اور یہ امر بلا اختلاف اُن کی اولیات مین محسوب ہونیکے لائق ہے[1]، ہمکو مصر کے مذہبی لٹریچر کی اوقات معلوم ہے، اسلئے مصطلح جبہ و دستار کی فضیلت سے اگر قطع نظر کر لیجئے تو سرسید اور انکے رفقا نے جو کچھ لکھدیا ہے مشکل سے اسپر کچھ اضافہ ہو سکتا ہے، اور یہ سرسید کے اختراعی دماغ اور اُنکے زبردست اجتہاد کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ عدم اعتراف دراصل لٹریچر کی خوش ظرفی ہوگی، مین یہان اس بحث کو چھیڑنا نہین چاہتا کہ عقاید کو جو جذباتی چیز ہین، معقولات سے بھڑانا جسپر ہمارے متکلمین کو اسقدر ناز ہے دراصل کہانتک درگوارانہ ہین

[1] معارف: سب سے پہلے مولوی سید کرامت حسین جونپوری (کلکتہ) ہین۔

چو کہنتی ہیرے "لنکا مصداق ہے، میرا منشا صرف یہ ہے کہ اس موضوع پر جو کچھ اسوقت لکھا گیا یا آیندہ لکھا جائیگا وہ محض سرسید کے قلم کی آواز بازگشت ہوگی۔ یہ دلچسپ سوال ابھی باقی ہے کہ حالی کے ہیرو کے ساتھ شبلی کو اسقدر "چشمک" کیون ہے کیا یہ جامع حیثیات شخصیت شبلی کے نامور ان اسلام کا رنگ پھیکا کرنے والی ہے؟ یا جس طرح ایک خوبصورت عورت دوسری پرکالہ آتش کو دیکھ نہین سکتی دراصل جذبہ رشک اسکی تہ مین ہے؟ ملک کے ایک بہت بڑے فاضل کی راے کے مطابق سرسید کے بعد اگر اردو مین کوئی قلم اُٹھا سکتا ہے تو وہ حالی ہین، اور اسمین کچھ شک نہین کہ حالی نے "سرسید کی صرف کثیر الاوراق لائف نہین لکھدی" بلکہ یہ اردو لٹریچر مین ایسا اضافہ ہے جو حالی کی ذات پر ختم ہوگیا، لیکن کیا "شعر العجم" کے مصنف کو بھی اسپر رشک کرنا چاہیئے۔ اسکا جواب آگے چل کر تاریخ دیگی نہ جاننا کبھی کبھی جاننے سے زیادہ باکیف ہوتا ہے، اسلئے سردست مین اس لطف کو کھونا نہین چاہتا۔

لیکن شعر العجم کے ساتھ جو ایک ذوقی چیز ہے میری بڑھی ہوئی حسن عقیدت اس موازنہ کو جائز نہین رکھیگی، اسلئے حیات جاوید کے مقابلہ مین شبلی کی صرف ان تصنیفات کو رکھیئے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے جنس مشترک کی حیثیت رکھتی ہین، آجکل کی عوائد رسمیہ (ایٹی کیٹ) کی نزاکتین شائستہ سوسائٹی مین موازنہ اوصاف کو جائز نہین رکھتین، لیکن مصنفین کے دماغون کی رگڑ، فن تنقید کا ایک سخن گسترانہ فرض ہے، جس سے قطع نظر نہین کیجا سکتی، اسلئے چشمک کے وہ عقدہاے سربستہ جنمین حالی کے مقابلہ مین لائق عزت شبلی کا پہلو کچھ دبا ہوا سا ہے[1]، کھلے ہوے راز کی حیثیت سے پیش کئے گئے ہین۔

[1] میرے مخاطب صرف وہ حضرات ہین جو تنقیص و تنقید مین امتیاز نہین کر سکتے، یا کرنا نہین چاہتے، نہ جاننا (جہل) چندان لائق اعتراض نہین لیکن یہ بھی نہ جاننا کہ نہین جانتے (جہل مرکب) قطعاً لائق معافی نہین، ایک بیباک نے حال مین لکھا تھا کہ شعر العجم پروفیسر براؤن کی "لٹریری ہسٹری آف پرشیا" کا ترجمہ ہے، شاید کہنا یہ منظور ہوگا کہ براؤن کی کتاب سے ماخوذ ہے، لیکن غریب کو معلوم نہین کہ براؤن نے فارسی شاعری کی تاریخ نہین لکھی (بقیہ صفحہ آیندہ)

قبل اسکے کہ مین اسے ختم کردن ایک نقرۂ معترضہ بارِ طبیعت ہو رہا ہے جس سے اسی سلسلہ مین نپٹ لینا چاہتا ہون۔ "چشمک"، جسکے متعدد نظائر جہانتک گنجائش تھی بہم پہنچائے گئے ہین، وراثت طبعی کے اثر سے اسکا سلسلہ اور بڑھتا ہے، ایک زادیۂ علمی کا نوجوان سید الطائفہ جسے آگے چل کر نظام ادبی کا ایک قوی تر عنصر ہونا ہے، ایک غیر متعلق تصنیف کے سلسلہ مین یون اظہار خیال کرتا ہے،

"مولوی نذیر احمد بھی اس گناہ کے مجرم ہین، جس قلم نے مراۃ العروس، بنات النعش، توبۃ النصوح، ابن الوقت اور ایامی لکھنے مین زندگی بسر کی ہو وہ الفراکفن، اجتہاد، ترجمہ قرآن،

بلکہ دراصل وہ اسلامی لٹریچر کی دماغی تاریخ ہے، ایران سے جو کچھ تعلق ہے یہ ہی کہ برادٗن اُن مصنفین کو الگ کرتا گیا ہے جو اسلام کے وسیع دور مین خاک عجم سے وقتاً فوقتاً اُٹھتے رہے، اُمہین شعرا کا ذکر ضمناً آیا ہے وہ بھی تاریخی حیثیت سے ذوقی اور جذباتی حیثیت سے نہین کہ یہ براؤن کے بس کی بات نہین تھی، شعرالعجم کا موضوع بالکل جداگانہ ہے،

ہماری زبان پر فلسفہ "ارتقا" اور جانے کیا کیا بے سوچے سمجھے اس بری طرح چڑھ گیا ہے کہ خیر سے معلومات مین تو کچھ اضافہ ہوا نہین، لیکن ان الفاظ کی رہی سہی آبرو بھی جاتی رہی، جس ملک مین تنقید عالیہ (ہایر کریٹی سزم) کا مفہوم صحیح اچھے خاصے پڑھے لکھے نہ سمجھ سکتے ہون، مین نہین جانتا شعرالعجم کی نزاکتین کسطرح اُنکے ذہن مین داخل کی جائین مجبوراً مین اسی گناہ کا مرتکب ہوتا ہون جس سے اورون کو باز رکھنا مقصود ہے، اور مجھکو کہنا پڑتا ہے کہ شعرالعجم تذکرہ شعرا نہین بلکہ جہانتک شاعری کی ماہیت نفسی کا تعلق ہے اسکی ارتقائی تاریخ ہے، (دیکھیے "ارتقا" زبان پر آہی گیا)

جس طرح ماضی حال کا باوا اور مستقبل کا دادا ہے، بعینہ دنیاے ادب مین بھی یہی ترتیب عمل جاری ہے متقدمین نے متوسطین اور متوسطین نے متاخرین پیدا کئے، بالفاظ غیر سعدی، حافظ، فردوسی اور خیام جس زمانہ مین ہوئے اور جو کچھ ہوئے اسی زمانہ مین انکا ہونا ناگزیر سا تھا، اسی طرح اُنکے کلام کی عصری خصوصیات دراصل اُن کے کمال اجتہاد سے زیادہ وراثت ادبی کے قدرتی نتائج ہین، شعرالعجم نے اسی طلسم کی عقدہ کشائی کی ہے، لیکن یہ باتین ابھی نصف صدی کے بعد ہماری سمجھ مین آئنگی، اسوقت تک اس کتاب پر اظہار خیال ملتوی رہتا تو اچھا تھا۔

شبلی تو کیا براؤن کا خاکہ اُڑائنگے، لیکن ایک صاحب نے علیگڈھ مین بھنگروسنگے کی چوٹ شاعری پر جس جامعیت کے ساتھ اظہار خیال کی شرائی، ایڈیٹر معارف کے سنجیدہ قلم کو اعتراف کرنا پڑا کہ گویا "شعرالعجم" نے ایک چھوٹے سے لفظ کے زہر کو دیکھیے گا جسکا تریاق ایک دفتر بھی نہین ہو سکتا، العدی

اجہات الامتہ کے لئے سنجیدگی عبارت، متانت کلام، اور ثقاہت بیان کہان سے لائیگا، مقصود یہ ہے کہ مذہبی کتابون اور بزرگان دین کی تاریخ کے لئے سنجیدگی چاہیئے، شوخ اور ظریفانہ عبارت اور سخیف محاورات موزون نہین،"

یہ مولوی نذیر احمد کون؟ وہی جنکا تصنیفی نام عوام مین "ڈپٹی نذیر احمد" ہے، آہا، آقاے اردو علامہ نذیر احمد ایل ایل ڈی! جو ملک مین السنہ مشرقیہ کا سب سے بڑا ادیب تھا، جسکی عربیت اس پایہ کی تھی کہ سخت سے سخت منحرف بھی اسکا لوہا مانتے تھے اور اُسکے تبحر علمی سے مرعوب رہتے تھے، جس نے اردو سی کم مایہ زبان کو اپنے خاص طرز ادا اور زورِ فصاحت سے ایسا کر دیا کہ آیندہ دنیا اُس پر ادب العالیہ (کلاسیکس) کا اطلاق کریگی، جسکی طبیعت مین قدرت نے عربی کا مذاق اسلئے رکھا تھا کہ وہ عرب کے صحیفۂ آسمانی کا قالب بدل سکے، پہلے ترجمۂ قرآن کا یہ رنگ تھا:۔

"مستی نکالتیان اور یار کرتیان چھپکر"

اب وہ شستہ رفتہ اور فصیح اردو کا ایسا مرقع ہے جسپر انشاپردازی ناز کر سکتی ہے،، نذیر احمد نے مراۃ العروس کے سوا اگر کچھ نہ لکھا ہوتا جب بھی انکے کمال انشاپردازی کے ثبوت کے لئے یہ اکیلی کتاب کافی تھی، ہمکو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اُسوقت ایک گران پایہ مصنف تھے، جب ہمارے لائق ادب بزرگون مین بہتیرون نے قلم ہاتھ مین نہین لئے تھے، رہی انکی ظرافت جو انھی کا حصہ ہے اور جسے آپ کہانے مین نمک سمجھیے، اور مین لٹریچر کے چہرے کا تبسم کہونگا، جو نئی تحقیقات کے مطابق صرف خوش ادائی نہین بلکہ اخلاقی پاکیزگی کے ساتھ کامل صحت کی دلیل ہے،

صرف ایک مثال لیجیے، نزول قرآن کے سلسلہ مین نذیر احمد اپنے فصیح لکچر مین ایک جگہ کہتے ہین:۔

"جن دنون قرآن نازل ہوا ہے وہ ایک وقت تھا کہ عربی لٹریچر کے جوبن پر ایک بہار آرہی تھی

لوگون مین یہ مادہ ایسا بہ سر ترقی تھا کہ کوئی متنفس مذاقِ شعری سے خالی نہ تھا، یہ تو عربی زبان کے عروج کا زمانہ تھا، یون بھی عرب کو اپنی بولی پر بلا کا ناز تھا، انھون نے اپنے سوا دوسرون کا نام رکھا تھا عجم یعنی گونگے یا جنکو بات کرنیکا سلیقہ نہین، ایسے لوگون سے کیسی ہی اچھی بات کہی جاتی مگر وہ ہوتی حلیۂ فصاحت سے عاری تو اُنکے کان پر جون بھی نہ چلتی، بس ضرور تھا کہ اسی داؤ سے انکو پچھاڑا جائے جو داؤ انکو خوب رو دان تھا، یعنی فصاحت، قرآن نازل ہوا تو جو اپنے اپنے وقت کے سرسید، محسن الملک، سید محمود، اور حالی و شبلی تھے سب کے چھکے چھوٹ گئے۔"

یہی بلاغت ہے جسکی بنا پر کہا گیا ہے کہ انشا پرداز کا ایک فقرہ ہزارون علمی اور تاریخی اوراق پر بھاری ہوتا ہے، اور یہی تصرفات ہین جنکے لحاظ سے ایک ادیب کو بڑے سے بڑے فلسفی اور مورخ پر ہمیشہ ترجیح رہیگی۔

یہی بلاغت تھی جس نے کسی زمانہ مین حیدر آباد دکن کے بسمارک کو نذیر احمد کا شیدائی بنا رکھا تھا، سر سالار جنگ اول اسٹیٹ ڈنر پر ہین طلائی قابون کا دور چل رہا ہے، چھری کانٹون کی دھیمی موسیقیت مین دفعتہً سرکاری ڈاک کے آنیکی اطلاع ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے اگر نذیر احمد کی کوئی مراسلت ہو تو فوراً پیش کیجائے، ایک منٹ کے بعد جلیل القدر میزبان شام کے ہاتھ مین ایک کاغذ ہوتا ہے، برقی روشنی کی جگمگاہٹ مین شائق ادب امیر الامرا کی نگاہ نقوشِ حرفی پر دوڑ رہی ہے اور چہرے پر رہ رہ کر وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جسے تبسم زیر لب کی ہلکی لہرین کہئے، نذیر احمد کے خوانِ ادب کا یہ وہ لقمۂ تر تھا جس سے شاہی میز بھی بے نیاز نہ رہ سکی، لیکن اب یہ ہمارے گلے مین پھنسنے لگا ہے جسے ہم اگلنا چاہتے ہین، مگر یہ بے نمکی روایات سابقہ کے لحاظ سے کچھ ٹھیک نہین معلوم ہوتی اور جو چاہتا ہے انکا کمال انشا پردازی غیر شائستہ جنبشِ لب سے ہمیشہ بے نیاز رہیگا۔[۱]

[۱] معارف: ان فضائل و مناقب کا منکر بنکر کوئی بھی "کافر ادب" بننا گوارا نہ کریگا، لیکن اس اعتراض کا (بقیہ صفحہ آئندہ)

آخر مین مجھے ایک نکتہ صاف کرنا ہے یعنی حالی کے ساتھ شبلی کی چشمک کے جو شواہد پیش کئے گئے ہین اُن سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھین کہ شبلی کو حالی سے خلوص نہین تھا، شبلی حالی کو ہمیشہ عزت کے ساتھ یاد کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ "جب تک مواد تحریری نہو مین ایک قدم بھی چل نہین سکتا، مگر حالی کی نکتہ آفرینی اسکی محتاج نہین، انکی دقیقہ رس اور نکتہ سنج طبیعت ایسی جگہ سے مطلب نکال لاتی ہے جہان ذہن بھی منتقل نہین ہوتا اور یہ کمال اجتہاد کی دلیل ہے۔"

یادون کے واقعہ کے بعد شبلی کو حالی نے دفورِ جوش مین جو رباعی لکھکر بھیجی تھی اور جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، شبلی الندوہ مین "مولانا حالی کی ذرہ نوازی" کے عنوان سے یون رقم طراز ہین :-

"مولانا کا میری نسبت ایسے خیالات ظاہر کرنا محض انکی ذرہ نوازی ہے، وہ میرے احباب مین شامل ہونے کا ننگ گوارا فرماتے ہین، لیکن میری عزت یہ ہے کہ مجھکو اپنے نیازمندون کے زمرہ مین شامل ہونیکی اجازت دین، اب چند ہی ایسی صورتین باقی رہ گئی ہین جنکو دیکھکر قدما کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ خدا ان بزرگون کا سایہ قائم رکھے۔"

بہر حال چشمک، جو کچھ تھی ادبی حیثیت سے تھی، نجی تعلقات دونون صاحبون کے اتنے ہی خوشگوار تھے، جتنے باوصف اختلاف وکلائے مقدمہ کے اجلاس سے باہر ہوا کرتے ہین، ان چند عنوانون مین خصائص نفسی کے مختلف رُخ ضمناً سامنے آگئے ہین، ورنہ میری غایت محض تنشیطِ ادب یعنی احباب کی دماغی تفریح کے سوا اور کچھ نہین ہی، اس حیثیت سے اُردو لٹریچر مین غالباً یہ ایک نیا مضمون ہے،[۱]

اب بھی جواب باقی ہے کہ شوخی تحریر اور ظرافت کلام جو "لٹریچر کے چہرہ کا تبسم ہے" ہر جگہ اور ہر موقع پر اسی طرح نمایان رہنا چاہیے یا کہین اپنی اوس کو ضبط بھی کرنا چاہیے، "مردِ مقدس" بنکر بر سرِ منبر آپ لوگون کو صحیفۂ الٰہی اور احکام مذہبی کا مطلب سمجھاتے ہین اور ہنسی کا یہ حال ہے وہ ایک منٹ کے لئے رکتی ہی نہین، ایسی حالت مین لامحالہ کہنا پڑیگا کہ از راہ عنایت اس منصب سے دستکش ہو کر کسی فیاض رئیس کے موسم تقریب کا انتظام کیجئے۔

[۱] اس مضمون مین جسقدر اقتباسات لئے گئے ہین انکے لئے اردو لٹریچر کے عناصر خمسہ (سرسید، آزاد، نذیر احمد، حالی و شبلی) کا پورا دفتر پیش نظر تھا، لیکن افسوس ہے کہ سلسلۂ اقتباس مین جن صفحات متعلق کے حوالے محفوظ نہین رکھے، ختم کرنیکے بعد یہ خیال آیا اب یہ ایک دردسری تھی جسے کسی طرح گوارا نہین کر سکا تاہم مین یقین دلانا چاہتا ہون کہ اس پیوندکاری مین جن کہین کوئی تصرف یا اضافہ نہین کیا ہے اور جسقدر اجزا جہان جہان سے لئے گئے ہین اقتباس مین بجنسہ پیش کر دئیے گئے ہین جنمین کوئی گنجائش شبہہ نہین باقی ہے۔

باب التربیۃ والتعلیم

اصول تعلیم

از جناب ظفر حسین خان صاحب گورنمنٹ ٹریننگ کالج لکھنؤ

ماہیت و مقصود تعلیم دور جدید نے جہان تجربۂ انسانی کی گوناگون اور علمی تصاویر کے دوسرے رُخ کو ہمارے پیش نظر کردیا ہے وہان تعلیم کی ماہیت و مقصود پر بھی نیا ورق الٹ دیا ہے، آج "تعلیم" کا لفظ، ذہنی اخلاقی اور جسمانی تربیت کے وسیع ترین مفہوم مین استعمال ہوتا ہے، معلم کا فرض درس و تدریس کے ساتھ ختم نہین ہوجاتا، بلکہ تلامذہ کے قواے ذہنیہ کے دوش بدوش، درستی اخلاق و صحت بدن کا لحاظ بھی اُسپر واجب ہے، چنانچہ معلم، مدرس بھی ہے اور مرشد و واعظ بھی، جسمانی ورزش کا استاد بھی ہے اور طبیب بھی، جس زمانہ مین تعلیم کی "ماہیت" اس غلط فہمی مین ملفوف تھی کہ تعلیم کو تدریس کا مرادف سمجھا جاتا تھا تعلیم کا منشاء و مقصود بھی صرف اسقدر رہتا کہ متعلم کا حافظہ رنگارنگ معلومات سے بھر دیا جائے، اس عہد عقلی مین یہ رسم تعلیم کمال قبیح، لغو و مضحک تصور کیجاتی ہے، کہ علم کو طالبعلم کے دماغ مین ٹھونس دیا جاے، علم النفس کی موشگافیون نے اس حقیقت کو بے نقاب کردیا ہے کہ تعلیم کی غایت اصلی، دیگر قواے انسانی کے ساتھ قواے ذہنیہ کے نشو و ترقی مین امداد کرتا ہے، طریق قدیم سارا بوجھ حافظہ پر ڈالتا تھا، لیکن طریق جدید ذہن انسانی کی جملہ قوتون کو کماحقہ تربیت اور تناسب بالیدگی کو پیش پیش رکھتا ہے، الغرض تعلیم کامل حسب ذیل امور کی ضامن ہے،

(۱) درس و تدریس کے ذریعہ قواے ذہنی کی نشو و نما،

(۲) ارشاد و ہدایت، پند و نصیحت اور ذاتی نمونہ کے ذریعہ تہذیب اخلاق،

(۳) بلاناغہ ورزش، صفائی اور اصول حفظان صحت کی باقاعدہ پابندی کے ذریعہ صحتِ جسم، طاقت بدن اور چستی و مستعدی کی برقراری،

علم تعلیم اور فن تعلیم ایشیا مین علم و فن باہمدگر مترادف بولے جاتے ہین، لیکن یورپ کے نزدیک اُنکے درمیان مین فرق ہے، علم، کائنات عالم کے کسی خاص شعبہ کے حقائق و واقعات لیکر محض بیان کردیتا ہے، فن، ان علمی مقدمات و قضایا سے عملی نتائج اخذ کرتا، اور انکو ہدایات، قواعد اور تنبیہات کی شکل مین تدوین کرتا ہے، علم کا تعلق فہم و نظر و ادراک سے ہے، طالبعلم مباحث و مطالب علمیہ کو پڑھتا غور کرتا اور انکو سمجھتا ہے، اسکے خلاف فن کا رشتہ عمل سے قریب تر ہے، کسی فن کے ہدایات محض پڑھکر سمجھ لینے کی چیز نہین، بلکہ انکی تعمیل اور مشق لازمی ہے، علم کی حد تحصیل مین ختم ہوجاتی ہے کہ معلومات صاف صاف ذہن مین مرتب ہون، جبکہ فن کا تقاضا ہے کہ ان معلومات کو قوت سے عمل مین لایا جاے علم و فن کے باہمی فرق کی وضاحت امثال ذیل سے ہوگی،

تشریح ایک علم ہے جسکے اندر جسم انسانی کا کچا چٹھا ہے، اس علم کا موضوع، ہڈیان، جوڑ، رگ پٹھے وغیرہ ہین، علم تشریح ہمکو اجزاے بدن کے حالات سے خبردار کردیتا ہے، اور بس، لیکن اسکے مقابل فنِ جراحی ہے، جو علم تشریح کے اخبار و بیانات سے مفید عملی ہدایات استنباط کرتا ہے، یہی علاقہ علم افعال الاعضاء اور فن طب کے درمیان ہے، اول الذکر اعضاے بدن اور اُنکے افعال کا ذکر کرتا ہے، اور فن طب ان معلومات سے استفادہ کرتا اور عملی قواعد اخذ کرتا ہے، علم افعال الاعضا کے علاوہ طب کی بنا دیگر علوم پر بھی ہے، مثلاً طبعیات، نباتات، کیمیا وغیرہ، ریاضی ایک نظری علم ہے، لیکن فن معماری کی داغ بیل تمامتر اسی پر پڑتی ہے، فن ملاحی، علم ہیئت اور علم جغرافیہ کا دست نگر ہے، غرضکہ ہر فن کی تدوین ایک یا ایک سے زیادہ علوم کی محتاج ہے، اور کسی مخصوص فن سے متعلق علم یا علوم کے ان اصول کی یکجائی جو گویا اس فن کی جڑ ہین، اسکے علم کے نام سے تعبیر کی جائیگی یعنی فن جراحی کے خلاف

علم جراحی سے مراد تشریح کے وہ اصول و قوانین ہین جن پر فن جراحی مبنی ہے، اسی طرح فن طب کے خلاف علم طب سے مراد علم افعال الاعضا، طبعیات، کیمیا، نباتات وغیرہ کے وہ اصول و قوانین ہین جن پر فن طب کا دار و مدار ہے، وقس علی ہذا،

علم تعلیم و فن تعلیم کی تفریق بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے، یعنی علم تعلیم عبارت ہے ان علوم کے قوانین و اصول کے ذخیرہ سے، جن قوانین و اصول پر فن تعلیم کا مدار ہے، علم تعلیم کا مایۂ خمیر کم سے کم حسب ذیل علوم ہین،

۱- علم النفس،

۲- علم الاخلاق،

۳- علم حفظان صحت،

۴- علم افعال الاعضاء،

تعلیمی نقطۂ نظر سے ان علوم کی شیرازہ بندی، علم تعلیم کی تدوین کا دوسرا نام ہے، چنانچہ بچہ کے نفسی حالات، سن و سال کے اعتبار سے قوائے ذہنیہ کا نشو و نما، تعلیم کا اخلاقی نصب العین جسمانی قوی اور انکے ترقی و انحطاط کے اسباب، علم تعلیم کے مہمات موضوع ہین،

فن تعلیم کا موضوع بحث چیدہ اور آزمودہ دستور و طریق تعلیم ہے، انگریزی، حساب، جغرافیہ تاریخ وغیرہ پڑھانیکی بہترین صورتین، اور مدرسہ کے نظم و نسق و ضبط کے کامیاب طریقے فن تعلیم کی جان ہین،

مشرق و مغرب | چونکہ ارتقاے انسانی کی پہلی منزل فطرۃً جسمانی ترقی، دوسری منزل فطرۃً ذہنی ترقی اور تیسری منزل فطرۃً اخلاقی ترقی ہے، لہذا ہم تعلیم انسانی پر اسی ترتیب سے بحث کرینگے، یعنی اول جسمانی نقطۂ نظر سے، دوم ذہنی نقطۂ نظر سے، اور سوم اخلاقی نقطۂ نظر سے، لیکن یہ تمام مباحث

ہندوستان کی معاشرت اور اسکے موجودہ حالات و حاجات کے تابع ہونگے، یورپین فلسفہ تعلیم کے اصول و ہدایات کی آزمائش کا میدان خود یورپ ہو سکتا ہے، نہ کہ ہندوستان، ہندوستانی بچہ کے تعلیم کے اصول یورپین بچہ کے تعلیم کے اصول سے اسیقدر مختلف ہونا چاہیئن، جسقدر ایک ہندوستانی بچہ اور ایک یورپین بچہ کے درمیان جسماً، ذہناً اور اخلاقاً اختلاف ہے، یورپ کے پرستار مغربی فلسفہ تعلیم کا تختہ مشق ہندوستان کو بناتے ہین، اور خلاف توقع نتائج و اثرات پر تعجب کرتے ہین حالانکہ کسقدر بدیہی ہے کہ جب تک مشرق، مشرق اور مغرب، مغرب ہے مشرق کو مغرب کے قالب مین ڈھالنا اسیقدر محال ہے جسقدر مغرب کو مشرق کے قالب مین ڈھالنا، ایک دوسرے کی جغرافی، تاریخی عمرانی خصوصیات اسقدر متبائن ہین کہ ایک ہی دوا دونونکے مزاج کے موافق آنا محل تعجب ہے نہ کہ محل توقع مستثنیات سے ہے نہ کہ کلیات سے،

اس بنا پر دونون ملکون کی جسمانی تربیت کے اصول مین جسقدر فرق ہونا چاہیئے ظاہر ہے، حفظان صحت کے بعض اصول جو یورپ کی صحت کے ضامن ہین، ہندوستان کے حق مین سراسر صحت افگن بد احتیاطیان ہین، اس نکتہ کو ملحوظ رکھکر ہم سب سے پہلے بچہ کی جسمانی تعلیم کی جانب رجوع کرتے ہین،

جسمانی تربیت

غذا | غذا جو بخوبی ہضم اور جزو بدن ہوجاتی ہے، دو نتیجہ مرتب کرتی ہے،

(۱) بدل ما یتحلل، اعضا اور عضلات کی بالیدگی اور انکی زندگی اور ٹوٹ پھوٹ کی مرمت،

(۲) حرارت غریزی کا قیام، اور قوت کی پیدائش،

اس بنا پر غذا کی تین قسمین ہوئین، یعنی ایک وہ جس سے محض ہمارے پٹھے گوشت اور ہڈی بنتی ہے دوسرے وہ جس سے محض حرارت پیدا ہوتی ہے اور تیسرے وہ جو پٹھے بھی بناتی ہے اور حرارت بھی پیدا کرتی ہے،

اطباء غذا کی تین حالات قرار دیتے ہین، جامد، سیال اور ہوائی، ہوائی غذا آکسیجن گیس ہے جسکو ہمہ وقت ہم سانس لیتے ہین باقی ماندہ غذاؤن کے اجزا حسب ذیل ہین،

(۱) لحمات (پروٹیڈز) شلاً انڈے کی سفیدی، ان سے پٹھے وغیرہ بنتے ہین،

(۲) دھنات (فیٹس) شلاً گھی، مکھن، دُودھ، یہ حرارت پیدا کرتے ہین،

(۳) نشاسجات (اسٹارچ) چاول، گیہون وغیرہ یہ بھی حرارت آفرین ہین،

(۴) ملحات (سالٹز) یعنی نمک جو ترکاریون مین نباتی حالت مین پایا جاتا ہے، نیز معمولی نمک ہضم غذا مین مدد دیتا ہے،

(۵) پانی، غذا کو ہضم کرتا اور فضلات کے اخراج مین گردون کی امداد کرتا ہے،

غذا ان تمام اجزا کا مناسب مرکب ہونا چاہیئے، اگر کوئی جزو غیر معتدل طور پر زیادہ ہوگا تو نقصان پہنچیگا، ہندوستان کی آب وہوا کے لحاظ سے جوان آدمی اور بچہ کی غذا کی مقدار نمک اور پانی کے علاوہ یہ ہونا چاہیئے،

جوان آدمی		بچہ	
(۱) لحمات۔	ڈہائی چھٹانک	(۱) لحمات۔	ڈیڑھ چھٹانک
(۲) دھنات۔	ڈیڑھ چھٹانک	(۲) دھنات	سوا چھٹانک
(۳) نشاسجات۔	ساڑھے سات چھٹانک	(۳) نشاسجات	پانچ چھٹانک۔

معمولی غذا مین یہ سب اجزاء موجود ہوتے ہین، ہندو جو گوشت یا انڈا نہین کہا سکتے لحمات کی ضروری مقدار دیگر اشیا سے حاصل کر سکتے ہین، اصل شے ان سب کا باہمی توازن ہے،

مختلف غذاؤن مین اجزاے مذکور کا اوسط نقشہ کی شکل مین ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے، اس نقشہ کی مدد سے کافی ومناسب غذا کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے،

عام غذاؤن مین اجزاالتغذیہ کا اوسط فی صدی

غذا	لحمات	دھنات	نشاسجات	ملحات	پانی
دال	۲۳٫۰	۲٫۳	۵۶٫۷	۳٫۰	۱۴٫۰
چاول	۷٫۵	٫۵	۷۶٫۰	٫۵	۱۴٫۵
گھی	۲٫۰	۹۰٫۰	۰۰۰٫	مختلف	۸٫۰
روٹی	۸٫۰	۱٫۵	۴۹٫۲	۱٫۳	۴۰٫۰
آلو	۱٫۲	٫۳	۲۲٫۵	۱٫۰	۷۵٫۰
ہری ترکاری	۱٫۵	٫۵	۶٫۹	۱٫۲	۸۹٫۰
گوشت	۲۰٫۵	۳٫۵	۰۰۰۰٫	۱٫۶	۷۴٫۴
مچھلی	۱۸٫۱	۲٫۹	۰۰۰۰٫	۱٫۰	۷۸٫۰
دودھ	۳٫۴	۳٫۸	۵٫۰	۰٫۸	۸۷٫۰

دھنات اور نشاسجات چھوٹے بچون کے لئے ازبس ضروری ہین، چونکہ ایک ہی قسم کی غذا بار ہوجاتی ہے، اسلئے ایک روز لحمات زیادہ کہانا چاہیئے اور دوسرے روز نشاسجات،

ہندوستان مین غریب بچے بھوکون مرتے ہین اور امیر زیادہ حد سے زیادہ کہا جاتے ہین صحت پر اس قلت وکثرت دونون کا اثر یکسان برا پڑتا ہے، اور مدرسہ کے کثیر التعداد قابل افسوس مظاہر کا سرچشمہ اور ناکامیون کا سبب اصول تغذیہ سے بے اعتنائی یا لاعلمی ہے،

آرام بعد طعام — جس طرح مشین کے کیل پرزون کو حرکت کے وقت تیل کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح اعضاے جسم کو خون کی ضرورت ہوتی ہے، اور اگر خون کی رسد ناکافی ہوگی تو یہی نہین کہ حسب دستور فعل مین خلل پڑیگا بلکہ وہ عضو بھی خراب جائیگا،

ورزش کے وقت خون کا بیشتر حصہ پٹھون مین ہوتا ہے، مطالعہ کے وقت دماغ کے اندر خون درکار ہوتا ہے، جسوقت کھانا کھاتے ہو خون معدہ مین مطلوب ہوتا ہے، اسی لئے کھانے کے بعد ورزش ممنوع ہے، چونکہ نظام ہاضمہ کو خون کی بڑی مقدار کی حاجت ہوتی ہے، ورزش کے تقاضہ سے خون پٹھون مین آجاتا ہے، اور جب خون اس طرح دو جگہ تقسیم ہو گیا تو معدہ اپنا فعل اچھی طرح نہین کر سکتا اور لازمی نتیجہ سوءِ ہضم ہوتا ہے، علی ہذا کھانے کے بعد فوراً پڑھنا بھی نہین چاہیئے، اسلئے کہ معدہ اور دماغ کی باہمی کشاکش اخیر مین دونون کی خرابی کا باعث ہوتی ہے،

بعض اطبا کھانے کے بعد مشی کی صلاح دیتے ہین، لیکن علم افعال الاعضا کا مشورہ اسکے خلاف معلوم ہوتا ہے، اسکے ہدایت کے مطابق کم از کم ایک گھنٹہ مطلقاً آرام کرنا چاہیئے،

لباس | ہندوستان کے موسمی حالات کے لحاظ سے لباس ایسا ہونا چاہیئے کہ جسمین ایک طرف تو گرمی سرایت نہ کر سکے، اور دوسری طرف اسمین پسینہ خوب جذب ہو سکے، گرمیون کی لو اور برسات کا پسینہ بہت سے معصومون کی موت کا اصلی سبب ہے، جاڑون کا لباس ایسا ہونا چاہیئے جو جسم کی حرارت کو قائم رکھ سکے، یعنی باہر نکلنے نہ دے، بالفاظ دیگر ہر موسم کے لباس مین دو اہم صفتین پائی جانا ضروری ہین،

(۱) لباس ایسا ہو کہ جسمین حرارت سرایت نہ کر سکے، نہ اندر سے اور نہ باہر سے، خارجی گرمی سے جسم کو محفوظ رکھے اور داخلی گرمی جسم سے نکلنے نہ دے، حکمیات کے اصطلاح مین ایسے مادّہ کو عسیر النفوذ (بیڈ کنڈکٹر) کہتے ہین،

(۲) جو پسینہ نکلے اُسے فوراً جذب کر لے،

کپڑون مین ریشم اور اُون دو ایسی چیزین ہین جمین یہ دونون صفتین بدرجۂ اتم پائی جاتی ہین، یعنی عسیر النفوذ بھی ہین اور جاذبِ رطوبت بھی، گرمی اور برسات مین ریشمی شلوکہ اندر پہننا چاہیئے، اور

جاڑون مین دبیز اُونی سینہ بند، اُوپر کا لباس گرمیون مین سوتی اور جاڑون مین اُونی ہو سکتا ہے لیکن اندر کا لباس کسی حال مین سوتی نہ ہونا چاہیئے،

ہندوستان کے لیے سفید رنگ کا لباس زیادہ موزون ہے، اسلئے کہ سفید رنگ تمازتِ آفتاب کی مدافعت مین بے مثل ہے، لیکن ہندوستان کی فرنگی مآبی کا تقاضا دوسری جانب ہے بڑے شغف کے ساتھ رنگین سوٹ پہنے جاتے ہین، اور بعض جنٹلمین تو سخت گرمیون مین اُونی سوٹ پہنتے ہین، قطع نظر اسکے کہ رنگین کپڑا بہت جلد گرم ہو جاتا ہے، ہندوستان کے مشہور گرد و غبار کے لئے بھی اسکا دامن قدرتاً نہایت وسیع ہے، پہننے والا اسکو صاف سمجھکر پہنے جاتا ہے، حالانکہ اسکی کثافت مہلک امراض کے جراثیم کا گنجینہ زار بن چکی ہے، ہندوستان مین اشد شدید ضرورت کہ لباس نہایت صاف ستھرا اور پاکیزہ رکھا جائے، اسلئے کہ گرم ملک ہونیکی وجہ سے پسینہ کثرت سے آتا ہے اور پسینہ مین فاسد مادے برابر خارج ہوتے رہتے ہین،

صفائی | کھال مین دو قسم کے مسامات ہوتے ہین، ایک سے پسینہ خارج ہوتا ہے اور دوسرے سے ایک چکنا مادّہ نکلتا رہتا ہے یہ اسلئے کہ جلد ملائم رہے، گرم ملکون مین جسم بہت جلد میلا ہو جاتا ہے، اسلئے کہ پسینہ بہت نکلتا ہے، پسینہ مین جسقدر پانی کا جزو ہے، وہ تو خشک ہو جاتا ہے، لیکن فضلات جسم اور نمک کھال پر جمے رہجاتے ہین، نیز باہر کی خاک چکنے مادّہ سے مل کر مسامات کا منھ بند کر دیتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم کے فضلات خارج ہونے نہین پاتے، خون خراب ہو جاتا ہے، پھڑیان نکل آتی ہین، اور ان اعضاء پر جنکا فعل جسم کو نجاسات سے پاک کرتا ہے، مثلاً پھیپھڑے اور گردے، ان پر خون کی خرابی کی وجہ سے زیادہ بار پڑ جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ ضعیف ہو جاتے ہین، یہانتک کہ ایک دن بالکل جواب دیدیتے ہین، علاوہ برین جلد کا ایک فعل یہ ہے کہ سردی اور گرمی سے خون کو ضرر دار کرتی ہے جہان سردی معلوم ہوئی خون فوراً اندر دوڑ جاتا ہے، اُوپر نہین رہتا، لیکن جب جلد نہایت کثیف ہو جاتی ہے

تو صحیح احساس نہین ہوتا،خون اوپر ہی دورہ کرتا رہتا ہے، اور سردی لگ جانے سے صدہا امراض پیدا ہوجاتے ہین،

چنانچہ صحت کا دار ومدار بہت کچھ جسم کی صفائی پر ہے خصوصاً بچون کی لیکن انکی صفائی کی جانب جسقدر التفات کی ضرورت ہے، اسیقدر غفلت برتی جاتی ہے، ہندوستانی مدارس کے کثیف مناظر اسکے شاہد ہین، بلاشبہہ بچون کو نہلانے دُہلانے کی ذمہ داری تمام تر ماؤن پر عاید ہوتی ہے، اور چونکہ یہ بحث دراصل مسئلہ تعلیم نسوان کا ایک ٹکڑا ہے، لہذا ہم قلم انداز کرتے ہین،

الغرض جسم کا میل بلاناغہ روزانہ دور کرنا چاہیئے، اور چونکہ اسکے اندر چکنا مادہ شریک ہوتا ہے اسلیے صابن سے دہونا چاہیئے، صابن مین سوڈے کا جزو ہوتا ہے اور سوڈا دہنی مادہ کے ساتھ حل ہوکر میل کو جسم سے چوس لیتا ہے، نہانیکے بعد جسم کو تولیہ سے خوب رگڑ رگڑ کر خشک کرنا چاہیئے،

بیماری کی حالت مین اگر نہا نہ سکو تو کم ازکم پاؤن، جانگھ اور بغل دہو ڈالنا چاہیئے، پاؤن کثافت کی جمع ہوجانیکی خاص جگہ ہے، سوتے وقت بلاناغہ دہونا چاہیئے، پاؤن دہونے سے نیند خوب آتی ہے، اور غذا اچھی طرح ہضم ہوتی ہے،

دانتون کی صفائی بھی نہایت ضروری ہے، صبح، سوتے وقت اور کہانا کھانیکے بعد دانت ضرور مانجنا چاہیئے، دانتون مین جو غذا رہجاتی ہے وہ سڑ کر زہر بنجاتی ہے، لوگ یورپ کی تقلید مین برش سے دانت صاف کرتے ہین، لیکن برش بہت جلد خراب ہوجاتا ہے، دانتون کا میل اسمین آکر سڑتا، گلتا، اور زہر بنتا ہے، اور اگر اسکے استعمال مین جاہلانہ شوق سے کام لیا جائیگا تو عنقریب دانت کو میل سے صاف کرنیکی جگہ منھ کو دانتون سے صاف کردیگا، زنبور کا کام دیگا،

اشتہاری منجنون سے بہاگنا چاہیئے، غریب طالبعلم کے لئے کوئلہ اور نمک بہترین منجن ہے،

بہ نسبت یورپ کے ہندوستان مین ناخنون کی صفائی کی جانب خاص توجہ کی ضرورت ہے،

اسلئے کہ کہانا ہاتھون سے کہایا جاتا ہے، ناخن زیادہ بڑھنے نہ دینا چاہئین اور انکے اندر خلال کرتے رہنا چاہیئے، تاکہ میل جمع ہونے پائے،

ہندوستان جیسے ملک مین چاہیئے تو یہ تہا کہ اندر کا لباس روزانہ تبدیل کیا جاتا، لیکن کم استطاعت لوگون کے لئے ایسا کرنا دشوار ہے، بہر طور کم ازکم دو جوڑے ہونا چاہئین، شب کو وہ کپڑا جو دن بھر اندر پہنے رہے ہو پہیلا دو تاکہ ہوا آکیسجن کے عمل سے اسکو صاف کردے، دوسرے تیسرے دن پانی اور صابن سے بھی دہو ڈالنا چاہیئے،

ورزش بالمرہ ورزش صحت کے واسطے لازمی ہے، جسم کی کثافتین خارج ہوتی ہین، معدہ اپنا فعل ستعدی کے ساتھ کرتا ہے اور جسم فربہ ہوتا ہے، اعتدال سے تجاوز ہر حال مین برا ہے، اور ورزش بھی اس سے مستثنےٰ نہین، چھوٹے بچون کو ڈرل کرانا چاہیئے اور بڑے بچون کے لئے جمناسٹک اور کہیل زیادہ مفید ہین، اسلئے کہ ان سے نفسی واخلاقی صفات کی نشو ونما مین مدد ملتی ہے، مثلاً فہم، جرارت، توجہ، ہمدردی، ایثار وغیرہ، جمناسٹک اور کہیل بچہ کو اس عمر مین اختیار کرنا چاہیئے، جب اخلاقی وذہنی گلی کے کہلنے کا موسم ہو، قبل ازوقت اور بعد ازوقت عبث ہوگا۔

آثارِ علمیہ و ادبیہ

سرسید کے چند خطوط

بنام

مولوی سید شرف الدین صاحب بلخی (گیا صوبہ بہار)

مخدومی مکرمی سید شرف الدین صاحب بلخی عظیم آبادی،

آپکا نوازشنامہ پہنچا، ممنون عنایت ہوا، جو خیال آپکا میری طرف ہے وہ صحیح نہین ہے، اسکو دل سے دور کردیجئے، مین صرف ایک گنہگار شرمسار آدمی ہون، ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی مجھ گنہگار سے ہزار درجہ بہتر ہے، آپنے مجھسے سوال کیا ہے اگر بعوض اسکے آپ مجھی سے مندرجہ ذیل سوال فرماتے تو مین نہایت خوشی سے اسکا جواب دیتا،

۱- نماز پنجگانہ فرض ہے یا نہین ؟

(۲) ہر مسلمان کو عالم ہو یا جاہل، درویش ہو یا دنیا دار نماز پنجگانہ اُسکو فرض مذہبی سمجھکر ادا کرنا فرض ہے یا نہین

۳- جو مسلمان اسکو فرض نہ سمجھے وہ کافر ہے یا نہین، بلا شبہہ کافر ہے،

۴- نماز نہ پڑھنے یا قضا کردینے سے مسلمان گنہگار ہوتا ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے یا نہین ؟

۵- نماز قضا ہونے یا قضا کرنے پر اگر کوئی شخص نادم ہو اور اپنے تئین گنہگار سمجھتا ہو اور سخت گناہ کا مرتکب تسلیم کرتا ہو وہ کافر ہوتا ہے یا مسلمان رہتا ہے،

۶- اُسکے ساتھ یہ بھی سوال کرو جو لوگ مسجدون مین جاتے ہین اور اس بات سے خوش ہوتے ہین کہ لوگ اُنکو نمازی اور نہایت پاک سمجھین اُنکا کیا حال ہے،

میرے نزدیک جمع بین الصلوٰتین جائز ہے، مین ایک گنہگار آدمی ہون، نماز پڑھتا بھی ہون قضا بھی ہوجاتی ہے، جب قضا ہوجاتی ہے شامت اعمال سے اسکی ندامت ہوتی ہے، اپنے آپ کو گنہگار سمجھتا ہون، خدا سے معافی چاہتا ہون،

جس شخص نے آپ سے کہا کہ مین نماز مغرب مین جو مسجد مدرسہ مین ہوتی ہے، شریک نہین ہوا، سچ کہا ہے، کیونکہ جب تک مین مدرسہ سے واپس نہ آؤن اور کپڑے نہ تبدیل کرون وہ کپڑے نمازی نہین ہوتے بہرحال میری اندرونی تفتیش محض بیجا ہے، نہ مین مقدس ہون نہ مقدس ہونیکا دعویٰ ہے، نہ کسیکا ہادی بنا چاہتا ہون، ایک گنہگار آدمی کے حالات کی تفتیش کیا، البتہ مسلمانون کی بھلائی اور ترقی کا خیال ہے اسمین کوشش کرتا ہون،

والسلام خاکسار

سید احمد، علی گڈھ

۲- اگست سنہ ۱۸۹۲ع

مخدومی مکرمی مولوی شرف الدین صاحب،

آپکا نوازشنامہ پہنچا، رسالہ جن و تحریر فی اصول التفسیر روانہ خدمت ہوچکا، جس کتاب کی تحریک کی ضرورت آپ نے تحریر فرمائی ہے بلا شبہہ بہت ضروری ہے، کوئی شخص ایسا ہو جسکو جمیع مذاہب اسلامیہ سے نہ محبت ہو نہ عداوت، بلکہ سچے مورخ کی طرح اصلی حالات کو بیان کرے، خدا کسی کو ایسی توفیق دے، مین تو جب تک میری تفسیر ختم ہولے کوئی بڑا کام اختیار نہین کرسکتا، میری نسبت تو بسبب میری تصنیفات کے فتوہاے کفر ہوچکے ہین، آپ میری تحریرات کو پسند فرماتے ہین، آپ پر بھی فتوہاے کفر ہوجائینگے، رسالہ الدعا و الاستجابت دعا علحدہ لکھا ہے، اُسکو بھی ملاحظہ فرمایئے، خطوط سب میرے نام ہوں، مین خود تعمیل کردونگا

والسلام خاکسار

سید احمد

۴- فروری سنہ ۱۸۹۳ع

مخدومی مکرمی مولوی سید شرف الدین احمد صاحب بلخی

آپکا نیازنامہ مورخہ ۱۱ - فروری میرے پاس پہنچا، آپ نے جو الفاظ اپنی عنایت سے میری نسبت لکھے ہین، اُنھون نے مجھے تکلیف دی، برائے خدا مجھکو امام نہ سمجھیے بلکہ احد من الانام کالانعام سمجھیے، آپنے لطیف بات لکھی ہے کہ علماء بتا دین کہ مین مہدی ہون یا دجال، مین آپکو اطلاع دیتا ہون کہ علماء نے میرے دجال ہونے پر فتوی دیا ہے، مین تلاش کرونگا اگر ملا تو اُسکی نقل آپکے پاس بھیجدونگا، والسلام

خاکسار سید احمد

۱۵- فروری سنہ ۱۸۹۳ء

مخدومی مکرمی مولوی سید شرف الدین احمد صاحب بلخی

عنایت نامہ پہنچا، نسبت خواب کے ایک بہت بڑا مضمون تفسیر جلد پنجم مین بذکر خواب ہاے حضرت یوسف و فرعون وغیرہ مندرج ہے اسکو ملاحظہ فرمایئے،

بیعت کی رسوم ظاہری لغو و بیچکارہ ہین، صرف ارادت رہبر مقصود ہے، حقیقت بیعت پر میرا رسالہ ہے، جو مجموعۂ تصانیف مین چھپا ہے، اُسکو دیکھیے،

بیعت مسنونہ جسکی تفصیل میرے رسالہ مین ہے دو شخصون سے یا متعدد اشخاص سے کرنے مین کچھ مضائقہ نہین ہے،

والسلام خاکسار

سید احمد

علیگڈھ - ۲۰ فروری سنہ ۱۸۹۳ء

مخدومی مکرمی،

تفسیر صرف سورۂ النحل تک چھپی اس سے اگلی سورتون کی تفسیر لکھی گئی ہے، مگر ابھی تک چھپنے کی

نوبت نہین آئی، خدا نے چاہا تو عنقریب چھپنی شروع ہوگی، سید محمود نے جو اسپیچ الہ آباد کے تھیٹر مین کی تھی وہ صرف زبانی تھی، وہ لکھی گئی اور نہ چھپی ہے، مجھے تو یہی یاد ہے، مگر حال مین سید محمود نے کانفرنس مین ایک بے نظیر لکچر دیا ہے انگریزی تعلیم پر اور دکھایا ہے کہ مسلمانون نے اس سے کسقدر فائدہ اُٹھایا اور ہندوؤن نے کسقدر، اور ڈیگرام بنا کر آنکھون سے دکھایا ہے، وہ چھپ جائیگا تو ایک کاپی خدمت عالی مین بھیجونگا،

دس قطع اشتہارات در باب اجرائے تہذیب الاخلاق مرسل خدمت ہین، ازراہ مہربانی انکو دوستون مین تقسیم فرما دیجیے،

والسلام خاکسار

سید احمد

علی گڈھ، ۲۰ فروری سنہ ۱۸۹۳ء

(بقیہ مطبوعات جدیدہ)

انقلاب

اخباری حیثیت سے لاہور اور کلکتہ اُجڑ گیا، لیکن اب لکھنؤ اور خاصکر دہلی آباد ہو رہی ہے، حال ہی مین ہفتہ وار **انقلاب** جناب عارف مختار اللہ کے زیر ادارت دہلی سے شائع ہونا شروع ہوا ہے، ابھی چند پرچے اسکے شائع ہوئے ہین، لیکن انہین کو دیکھکر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ اخبار نویسی کی سطح کو بلند کرنا چاہتا ہے، سیاسی مضامین مناسب بحث و تبصرہ کے ساتھ شائع ہوتے رہتے ہین موجودہ سیاسیات ہند مین ملک کی خواہشون کا شدت کے ساتھ ہم آہنگ ہے، اسلامی مسائل خصوصیت کے ساتھ اسکے صفحات میز زیر بحث رہتے ہین، لکھائی چھپائی بہت صاف اور اچھی، نوعیت مضامین مناسب اور ترتیب بھی عمدہ ہوتی ہے، ۸ صفحے، قیمت سالانہ ؏(۳) پتہ: کوچہ چیلان، دفتر انقلاب دہلی -

ادبیات

مستیِ چشمِ بتان ساغرِ سرشار نداشت
نشۂ داشت ولے نشۂ بسیار نداشت

نامۂ دوست کہ صد بار بخواندم آن را
ذوقہا داشت ولے لذتِ گفتار نداشت

گرچہ در جلوہ گہِ موسیِ عمران برسید
لیک آن نیز بخلوت گہِ تو بار نداشت

این ہمہ رد و قبولِ تو بکہ بود؟ کہ دوش
حرف انکار تو ہم معنیِ انکار نداشت

ذوق از زندگیِ خویش چہ بردہ؟ آن زاہد
آنکہ خلوتکدۂ داشت ولے یار نداشت

دل و دین باختہ ات ماند بکویت حیران
مدعا داشت ولے از در و دیوار نداشت

رونقِ شہر دگر گشت چو یوسف آمد
پیش ازین مصر چنین کوچہ و بازار نداشت

زاہدِ بیخبر از جلوۂ زلف و قدِ دوست
بود منصور ولیکن رسن و دار نداشت

گوے از ما بہ ثباتِ قدم خویش ببرد
آنکہ در کوچۂ تو طاقتِ رفتار نداشت

واے بر دیدۂ شوقم کہ ز مژگان نگاہ
دامنے داشت در دولتِ دیدار نداشت

در بساطِ دلِ ما طرحِ دو عالم انداخت
عشق زان پیش کہ اندازۂ پرکار نداشت

از دلِ ندوی و مژگانِ ترا زیست آموخت
ارتباطے کہ بہم آبلہ و خار نداشت

عبد السلام ندوی

قدِ موزونِ تو یک سرو بگلزار نداشت
شیوۂ چشم تو یک نرگسِ بیمار نداشت

گرچہ صد جام بکف لالہ ہمی داشت بباغ
لیک چون چشمِ تو یک ساغرِ سرشار نداشت

نقشِ نو بیات کہ شد مایۂ تسکینِ دلم
شیوہا داشت ولے شیوۂ گفتار نداشت

پُر ز آوازۂ عشقِ من و تو گشت جہان
این نواہیچ ازین گنبدِ دوار نداشت

واعظِ شہر کہ دی جلوہ بمنبر میکرد
صد سخن داشت مگر یک ہم ازان بار نداشت

رازِ عشقم ہمہ در کوچہ و بازار افتاد
شکرِ صد شکر کہ دل پردۂ پندار نداشت

ہر کہ در صحبتِ یارے میِ گلرنگ نخورد
نقدِ فرصت بکفش بود و سرِ کار نداشت

شوق را این کہ برد کار ز اندازہ برون
جلوہ میخواست ولے طاقتِ دیدار نداشت

تا نہ سر زد ز من این غلغلۂ عشق بدہر
حسن خودگریِ ہنگامۂ بازار نداشت

بسکہ یک یک بشمردم خمِ زلفش آن ان
کہ شکن در شکن آن طرۂ طرار نداشت

دوش آن ساقیِ سرمست بجامم می ریخت
آن مے تند کہ در میکدہ خمار نداشت

انجمن را چہ دہم شرح چہ برگ است چہ ساز
رونقِ کارگہش اسال بود پار نداشت

حرفے از گفتۂ آن شوخ بہم آمیخت مگر
نامہ بر ورنہ دلآویزیِ گفتار نداشت

حیف صد حیف کہ نیّر بسرِ منزلِ دوست
پاے میداشت ولے طاقتِ رفتار نداشت

ابو الحسنات ندوی

مساوات فاروقی

امیر المومنین حضرت عمرؓ کے عہد مین اک دن
کیا دعویٰ اُبیؓ نے آپ پر دائر عدالت مین

قضا کے منصبِ عالی پہ مامور ابن ثابتؓ تھے
انھون نے حاضری کا حکم بھیجا انکی خدمت مین

ہوے حاضر وہان تو زیدؓ نے تعظیم دی انکو
(زید ابن ثابت)
کہا حضرت عمرؓ نے یہ ہے پہلی جَور شریعت مین

خطا پہلے تمہاری تو یہی اے ابن ثابت ہے
کہ غفلت عدل سے کی آگئے رعبِ خلافت مین

یہ فرما کر اُبی کے پاس ہی وہ خود بھی جا بیٹھے
کہ داخل تھی مساوات انکی عادت مین طینت مین

تہا دعوی بے دلیل اُنکا، نہین انکار دعوی سے   قسم دین اُنکو یہ سوچا اُبیؓ نے ایسی صورت مین

ادب ملحوظ امیر المومنین کا تہا جو قاضی کو   کہا ”ایسی نہ گستاخی کرو حضرت کی خدمت مین

جبین عدلِ فاروقی پہ بل پڑنے لگے فوراً   کہا ای زید تم حق پر نہین اُس رعایت مین

قسم دینے نہین منکر کو اسکا تمکو حق کیا ہے   خطا یہ دوسری سرزد ہوئی تم سے عدالت مین

تمہاری ہے یہی حالت اگر بیجا حمایت کی   تو اس منصب کے تم قابل نہین ہو ایسی صورت مین

یہی وہ اسوۂ فاروق اعظم ہے کہ اک عالم   مثالین اسکی سن کر غرق ہی دریائے حیرت مین

نظر ڈالو تعمق سے ذرا تاریخ عالم پر   نظیر اسکی نہین ملتی مساوات عدالت مین

حامد حسین قادری بچھرایونی

ایڈیٹر اخبار سعید کان پور

غزل

مرزا ثاقب قزلباش لکھنوی

دل سے مین کہہ رہا ہون تجہپر ہو اندا مین   دل مجہسے کہہ رہا ہے او بیخبر جلا مین

تڑپا دیا ہے دل کو شاباش ہمصفیرو   یونہین پھر اک صدا دو ٹوٹا قفس چلا مین

وہ نزع کی خموشی جامِ جہان نما تھی   اک عمر کی کہانی دم بھر مین کہہ گیا مین

ویرانۂ قفس مین باتین کرون تو کس سے   پہلے سے سننے والے ہوتے تو بولتا مین

دل کی جراحتون کے مرہم کہان سے لاؤن   پہٹا رہا وہ دامن جسکو سیا کیا مین

پھر اور کس طرح سے اُجڑے مکان کو سجتا   قصر لحد مین آکر تصویر ہو گیا مین

انکی رضا پہ مرنا اک قسم زندگی تھی   اپنے دلِ حزین سے پھر کیون ہوا خفا مین

قبرون پہ مینے پھونکا ثاقب دل و جگر کو   کچھ اور تہا نہ ممکن تمغین چڑہا گیا مین

مطبوعاتِ جدیدہ

مسلمانانِ اندلس، مشہور مغربی مصنف اسٹینلی لین پول کی کتاب ”مورس ان اسپین“ کا ترجمہ جناب مولانا سید عبد الغنی صاحب وارثی بہاری مرحوم سابق مددگار صدر محاسب ریاست حیدرآباد نے کیا تہا، اور حال مین مترجم مرحوم کے انتقال کے بعد مطبع الناظر لکھنؤ نے یہ کتاب شایع کی ہے،

مصنف نے مغربی مذاق تصنیف کے مطابق اپنی کتاب کے ابتدائی ابواب مین اندلس کی قدیم تاریخ، مسلمانون کے داخلہ سے پہلی کی حکومت اور اسکے طریق حکومت سے بقدر ضرورت اعتنا کیا ہے، جس سے اسلامی فتوحات پر بھی کسیقدر روشنی پڑتی ہے، مسلمانان امرائے اندلس، اندلس کا بارگاہ خلافت سے تعلق و انقطاع اور اسکا اثر، دمشق کی خلافت کا بنو امیہ سے نکل کر بنو عباس کے قبضہ مین جانا، پھر اندلس کا استقلال حکومت، ان تمام بیانات مین مصنف نے ان تمام جزوی و کلی امور کا استقصا کیا ہے، جس سے اندلس کی مکمل تاریخ عہد بعہد کی ترقیان اور انقلابات کا نقشہ آنکھون کے سامنے پھر جاتا ہے، ہر واقعہ کے اصلی اسباب و علل پڑہنے والے کو بیک نظر معلوم ہو جاتے ہین،

مترجم مبرور کی قدرت ترجمہ کا یہ کمال ہے کہ اس کتاب کو پڑھتے وقت ذرہ برابر اسکا احساس نہین ہوتا کہ دوسری کتاب کا ترجمہ ہے، زبان کی سلاست و روانی، طرز ادا کی صفائی و بے تکلفی سے ترجمہ پر اصل کتاب کا دہوکا ہوتا ہے، چونکہ مترجم مرحوم انگریزی و عربی دونون زبانون سے اچھی طرح واقف تھے، اسلیئے مقامات وادی دریا پہاڑ اور اسماء رجال وغیرہ مین ویسی غلطیان بھی نظر نہین آتین جیسی عموماً اسلامی تاریخون کے نئے انگریزی خوان مترجمین کرتے ہین، صفحہ ۲۰۸، قیمت عہ، پتہ: الناظر بک ایجنسی لکھنؤ،

نتائج بعثت، تحریر و تقریر دار العلوم ندوہ کے طلبا کی عام خصوصیت ہے، اور وہ جہان بھی ہوتے ہین اپنی خصوصیات کے نمونے پیش کرتے ہین، نتائج بعثت بھی ایک ندوی کی تحریری خصوصیت کا نتیجہ ہے،

سنہ ۶ مین مجلس میلاد النبی سکندرآباد نے علیگڈھ کالج، دارالعلوم دیوبند، اسلامیہ کالج پشاور، مدرسہ عالیہ کلکتہ، سہارنپور، دہلی، اور ریاست حیدرآباد کے تمام مدارس اسلامیہ مین یہ عام اعلان بھیجا تھا کہ وہان کے طلبار نتائج بعثت پر مضامین لکھکر بھیجین، جسکا مضمون بہترین ثابت ہوگا اسکو ایک طلائی تمغہ انعام دیاجائیگا، مولوی خواجہ ابوزبیر منظوراحمد ندوی متعلم جامعہ الٰہیہ کانپور کی تحریر معیار امتحان پر پوری اتری اور وہ طلائی تمغہ انکو دیا گیا، وہ تحریر اب رسالہ کی صورت مین شایع کیگئی ہے، توحید، تکمیل، اخلاق، تمدن، مساوات، مذہبی بے تعصبی، حکومت جمہوری، اور عبادات وغیرہ اس بحث کے اجزا ہین جہانتک مباحث کا تعلق ہے یہ مضمون علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الکلام کو پیش نظر رکھکر لکھا گیا ہے اور اچھا لکھا گیا ہے تسلسل و ترتیب مناسب ہے، طرزبیان بھی بہت معقول ہے، لیکن زبان کی نسبت مضمون نگار سے کہنا ہے کہ وہ اس سے عمدہ اور سلجھی ہوئی بنانیکی کوشش کرین،

صفحہ ۶۵، تقطیع چھوٹی، قیمت ۶ر، منیجر مکتبۂ الٰہیہ کانپور،

ہاروت ماروت مولوی محب حسین صاحب محب نے اپنا ایک مسدس اس نام سے شایع کیا ہے جسمین مشہور قصہ ہاروت و ماروت کو اخلاقی حیثیت سے نظم کیا ہے، دنیا کی حالت، اہل دنیا کے اخلاق، نفس انسانی کی خباثت وغیرہ کو دکھایا ہے، طرزبیان گو معمولی ہے لیکن جوکچھ بیان کیا گیا ہے، صاف اور واضح ہے، بعض بعض جگہ بندشین بہت سست واقع ہوئی ہین، بلکہ بعض الفاظ بھی غلط استعمال کئے گئے ہین، مثلاً عَرَق (۳) و شَرَف (۶) حالانکہ بفتح را ہونا چاہیئے، اسی طرح فرش بچھا ہوا (۵) بہ تشدید غلط ہے،

صفحہ ۲۴، قیمت ۴ر، احاطہ موسیٰ خان بیگم بازار حیدرآباد دکن،

جلد سوم	ماہ مئی ۱۹ء مطابق شعبان ۳۷ھ	عدد یازدہم

مضامین